ماہنامہ

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 34...شمارہ نمبر 01... جنوری 2026

اراکین کے لیے ضروری اطلاع:

ایچ آر سی پی کی رکنیت کی تجدید اور واجبات کی ادائیگی

یہ ایچ آر سی پی کی رکنیت کی تجدید اور رکنیت کے واجبات کی ادائیگی کے حوالے سے تمام اراکین کے لیے ایک عمومی اطلاع نامہ ہے۔

ایچ آر سی پی کے ضمنی قوانین کے ضابطہ 5 (شق 3) کے تحت، جو رکن لگاتار دو سال تک اپنی رکنیت کے واجبات ادا نہیں کرتا/کرتی ان کی رکنیت ایک ماہ کے نوٹس کے بعد ختم تصور کی جائیگی۔ تمام بقایا جات کی ادائیگی کے بعد رکنیت بحال ہو سکتی ہے۔

رکنیت کے ریکارڈ کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد اراکین نے 2020 سے اپنی رکنیت کی تجدید نہیں کی۔ جو اراکین اپنی رکنیت کی منسوخی سے بچنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ وہ 31 جنوری 2026 تک تمام بقایا جات ادا کر کے اپنی رکنیت کی تجدید کریں، ایسا نہ ہونے کی صورت میں ان کی رکنیت منسوخ کر دی جائے گی۔

اپنی رکنیت کی حیثیت یا واجب الادا رقم کے بارے میں مزید معلومات یا وضاحت کے لیے،

اراکین ایچ آر سی پی سیکرٹریٹ میں محمد عالمگیر (مینیجر، ہیومن ریسورس و رکنیت)

سے درج ذیل فون نمبرز پر رابطہ کر سکتے ہیں:

(042) 3586 4994, 3586 5969, 3583 8341

فہرست

پریس ریلیز	03
اور اک سال گیا۔۔۔	04
سنسر شپ اور میں	05
انسانی حقوق کے بنیادی تصورات	06
انسانی حقوق کا عالمی دن: پاکستان میں بحران، امید اور جدوجہد کا نیا منظر نامہ	08
لاہور کے ناصر باغ میں پارکنگ پلازہ، ترقی کے نام پر درختوں کی قربانی کیوں؟	09
بلوچستان کی خواتین وکلاء آن لائن ہراسانی کے خلاف متحد	10
صبر آخر کب تک	11
کیا ہم ان متروک اور محصور پاکستانیوں کی داستان سنیں گے؟	12
گلگت بلتستان میں ناقص اشیائے خورد و نوش: خاموش قاتل اور اجتماعی غفلت	13
انسانی حقوق کے عالمی دن کے تحفظ پر زور	14
پشاور کی سڑکوں پر روایت اور خوف کو چیلنج کرتی خواتین	15
حرف آغاز: جمہور کی جمہوریہ	17

حکومت کو سیلاب متاثرین کی بحالی کو ترجیح دینی چاہیے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) پنجاب حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ جنوبی پنجاب میں شدید مون سون سیلاب سے متاثرہ خاندانوں کی فلاح و بہبود کو ترجیح دی جائے۔ ان میں سے کئی خاندان مناسب امداد نہ ہونے کے باعث اپنے گھروں کی تعمیرِ نو کے حوالے سے مشکلات کا شکار ہیں جو کہ موسمِ سرما کی آمد کے ساتھ بڑھ گئی ہیں۔

ایچ آرسی پی کی جانب سے نومبر کے اوائل میں جنوبی پنجاب کے سیلاب متاثرہ علاقوں میں کی گئی فیکٹ فائنڈنگ میں ملتان کی بستی لانگ اور بستی شیر شاہ، اور اوچ شریف کی بستی جٹ کھرپا کے متاثرہ خاندانوں کے مسائل قلمبند کیے گئے۔ بستی لانگ کے مکینوں نے بتایا کہ سیلاب سے تقریباً 300 گھر تباہ ہوئے، تاہم نقصانات کے تعین کے لیے سرکاری سروے یا تو کیے ہی نہیں گئے یا تاخیر کا شکار رہے، جس کے نتیجے میں متاثرہ گھرانوں کو مناسب معاوضہ نہیں ملا۔ حکومت کی جانب سے فی ایکڑ 20 ہزار روپے کے معاوضے کو ایک متاثرہ فرد نے 'زخموں پر نمک چھڑکنے' کے مترادف قرار دیا۔

موضع جٹ کھرپا کے رہائشیوں نے الزام لگایا کہ ستلج سے آنے والا سیلابی پانی کو جان بوجھ کر ان کے دیہات کی طرف موڑا گیا تاکہ قریبی شہری علاقوں اور بااثر افراد کے زرعی مفادات کو تحفظ دیا جا سکے۔ متعدد مقامات پر مقامی برادریوں کا کہنا تھا کہ امداد کی تقسیم اور نقصانات کے اندازوں میں سیاسی مداخلت شامل رہی۔، جبکہ ایک متاثرہ شخص کا کہنا تھا کہ صرف وہی افراد حکومتی امداد حاصل کر سکے جن کے پاس اراکینِ اسمبلی کی سفارشات تھیں۔ باغات اور زرعی اراضی کی تباہی کی نشاندہی کرتے ہوئے —اور بعض علاقوں میں اب بھی پانی کھڑا ہونے کے باعث— کئی افراد نے خدشہ ظاہر کیا کہ وہ اگلی فصل کاشت نہیں کر سکیں گے، جس سے ان کی جمع پونجی خطرے میں پڑ جائے گی۔

ایچ آرسی پی پنجاب حکومت پر زور دیتا ہے کہ نقصانات کے شفاف اور جامع تخمینے لگائے جائیں اور فوری بحالی، رہائش اور تعمیرِ نو کے لیے معاونت فراہم کی جائے۔ کسی بھی بے ضابطگی کے ذمہ دار اہلکاروں کو جوابدہ ٹھہرایا جائے۔ ضروری امر یہ ہے کہ مزارعین اور زرعی مزدوروں کو بھی تمام امدادی اور معاوضے کی اسکیموں میں شامل کیا جائے۔

[پریس ریلیز۔ اسلام آباد۔ 22 دسمبر 2025]

ایچ آرسی پی کے اجلاس میں اظہارِ رائے پر پابندیوں کے خلاف اجتماعی مزاحمت کی اپیل

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) کے زیرِ اہتمام ایک راؤنڈ ٹیبل اجلاس میں شرکاء کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، جہاں مقررین نے الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کا ایکٹ 2016 (پیکا) اور اس میں کی گئی ترامیم کے عام شہریوں پر منفی اثرات کو دہرایا اور ڈیجیٹل اظہارِ رائے کی آزادی کے تحفظ کے لیے مشترکہ جدوجہد پر زور دیا۔

اجلاس کی نظامت وکیل ازور شکیل نے کی۔ یہ راؤنڈ ٹیبل ایچ آرسی پی کی جاری مہم "پیکا کے دس سال، خاموشی کے دس سال" کے تحت منعقد ہوا۔ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (پی ایف یو جے) کے صدر افضل بٹ نے ایسے قوانین کی اصولی مخالفت کی ضرورت پر دوبارہ زور دیا جو بنیادی حقوق کو محدود کرتے ہیں۔ انہوں نے مناسب کنٹرول اور جبر کے درمیان فرق واضح کرنے کے لیے حکام سے براہِ راست مکالمے کی بھی تجویز دی۔

سینئر صحافی اور ایچ آرسی پی کے کونسل ممبر ناصر زیدی نے کہا کہ ریاست کا اظہارِ رائے کے حوالے سے رویہ تاریخی طور پر پابندیوں پر مبنی رہا ہے، جہاں قوانین آئینی حقوق کے تحفظ کی بجائے بیانیے کو کنٹرول کرنے کے لیے بنائے گئے۔ کئی صحافیوں نے آزادیِ صحافت کو درپیش مسائل کی نشاندہی کی۔ صحافی اکبر نوتیزئی نے کہا کہ بلوچستان میں اخبارات کے ریاستی اشتہارات پر بڑھتے انحصار کے باعث ادارتی آزادی کو برقرار رکھنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ صحافی مطیع اللہ جان نے خبردار کیا کہ پیکا کے تحت ایف آئی اے کی تحقیقات میں دیگر سیکیورٹی اداروں کی شمولیت اختیارات کے ناجائز استعمال کا خطرہ بڑھا دیتی ہے۔

اجلاس کے دوران متعدد شرکا نے ہراسانی کے ذاتی تجربات بھی بیان کیے۔ ایک صحافی نے ایف آئی اے کے اہلکاروں کی جانب سے دھمکیوں کا ذکر کیا، جس سے قانون نافذ کرنے والے اداروں میں مبینہ بدعنوانی اور احتساب کے فقدان کی عکاسی ہوتی ہے۔

وکلا اور صحافیوں، جن میں ثاقب بشیر اور اسد طور شامل تھے، نے پیکا سے متعلق مقدمات میں مختلف عدالتوں میں مربوط اور شواہد پر مبنی قانونی چارہ جوئی کی اہمیت پر زور دیا، تاہم ان کا کہنا تھا کہ محض قانونی راستے کافی نہیں بلکہ شفاف عوامی بحث اور اجتماعی مزاحمت بھی ناگزیر ہے۔ سابق وزیراعظم شاہد خاقان عباسی نے بھی اس بات سے اتفاق کیا کہ آزادیِ صحافت کو محدود کرنے والے قوانین کے خلاف مزاحمت ضروری ہے۔

اجلاس کے اختتام پر سابق سینیٹر اور ایچ آرسی پی کے کونسل ممبر فرحت اللہ بابر نے پیکا قوانین کے تحت قانون کے معین ضابطے کی خلاف ورزیوں سے نمٹنے کے لیے بلا معاوضہ (pro bono) قانونی ٹیمیں تشکیل دینے اور اس معاملے پر سیاسی جماعتوں سے منظّم رابطے کی تجویز دی، جس کی راولپنڈی جرنلسٹس یونین کے صدر طارق علی نے تائید کی۔ فرحت اللہ بابر نے یہ بھی کہا کہ ان قوانین کے غلط استعمال کے ذمہ دار اہلکاروں کی اعلانیہ نشاندہی کی جانی چاہیے۔

[پریس ریلیز۔ کراچی۔ 24 دسمبر 2025]

وجاہت مسعود

اور اک سال گیا۔۔۔

دنیا معیشت کی ترتیب نو پر عرق ریزی کر رہی ہے۔ ہمارے بیچ سے وہ نجومی ہی اٹھ گیا ہے جو نئے سال کے اچھا ہونے کی خبر دیا کرتا تھا۔

آج دسمبر کا آخری دن ہے۔ آج محض 2025 کا برس ختم نہیں ہوا، ایک ربع صدی مکمل ہوئی ہے۔ اس عرصے میں زمانے نے کیا رنگ بدلے، علم کی کون سی منزلیں طے کیں۔ سیاست کن گھاٹیوں سے گزری، معاشرت کے خدوخال کیسے بدلے، یہ سب ہم سے بہت دور کسی اجنبی سیارے کی باتیں ہیں۔ ہم پدر سوختہ، آوارہ نصیب تو دوسری عالمی جنگ کے ان جاپانی سپاہیوں کی طرح اندھیرے جنگلوں میں روپوش ہیں جنہیں برسوں خبر نہیں ہوئی کہ ہیروشیما اور ناگاساکی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئے ہیں۔ شہنشاہ ہیرو ہیٹو جنرل میکارتھر کے ساتھ چائے نوش فرما رہے ہیں نیز یہ کہ جاپان جنگجوئی ترک کر کے جمہوری بندوبست اور صنعتی پیداوار کے بل پر 1970 میں دنیا کی تیسری اور 1990 میں دوسری بڑی عالمی معیشت بن چکا ہے۔ ہم نے تو کاغذ پر حرف کشی میں درک پایا ہے اور اس میں بھی آج کے علم و ادب سے ہمارا تعلق نہیں۔ ہماری آنکھ تو ڈیڑھ صدی قبل سر سید احمد خان پر جا کر ٹھہرتی ہے۔ 'برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈرا؟نی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے۔ آندھی بڑے زور سے چلتی ہے، دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔' پھر 1940 کا دسمبر آیا۔ 27 سالہ قیوم نظر نے 'نیا سال' کے عنوان سے نظم لکھی۔ 'عمر رواں نے اک جھٹکا سا کھایا / اور اک سال گیا'۔ کئی دہائیوں بعد انیس ناگی نے لکھا، 'اس لاحاصل عہد میں عمریں یونہی ڈھلتی ہیں'۔

رواں صدی پرویز مشرف کے پی سی او کے سائے میں شروع ہوئی۔ نو برس کی اس آزمائش میں وائسرائے شوکت عزیز نے بھی سوا تین برس اسلام آباد میں قلفی کا لطف اٹھایا۔ وزارت عظمیٰ ختم ہوئی تو ایسے اڑنچھو ہوئے جیسے سرکاری اہلکار تبادلہ ہونے کے بعد پرانے دفتر میں نظر نہیں آتا۔ سیاست دان البتہ ایک اور نوع کی مخلوق ہے۔ سیاست وہ امانت ہے جو سانس کے دھاگے سے بندھی ہے۔ اس میں سبکدوشی نہیں ہوتی اور نہ سیاست دان اہل وطن کے دکھوں سے دستبردار ہوتا ہے۔ اس قبیلے میں متبادل قیادت کے نام پر نمودار ہونے والوں کا ذکر نہیں جو ہوا کو ناموافق پا کر اپنی پتنگ بغل میں دبائے طویل مراقبے میں چلے جاتے ہیں اور پھر کسی روپہلی صبح نیا آموختہ لیے برآمد ہوتے ہیں۔ بانگی ملاحظہ کیجئے۔ چودھری نثار علی خان، سیف الرحمٰن، شوکت عزیز، باقر رضا، عثمان بزدار، خسرو بختیار، فیاض الحسن، جہانگیر ترین، محمد علی درانی۔۔۔ یہ فہرست لامتناہی ہے۔

علامہ سند باد جہازی (جدید) نے فرمایا ہے کہ ملا ملٹری الائنس فطری ہے۔ علامہ کے انفس و آفاق ہم خاک نشینوں کی حد نظر سے پرے ہیں۔ فطری اور غیر فطری کی بحث انہیں زیب دیتی ہے۔ علامہ کو اختیار ہے کہ 10 اپریل 2022 کو حکومت کے روحانی معاملات کے مہتمم ہوں اور اگلے روز نئی حکومت میں بھی اسی مسند کو رونق بخشیں۔ عسکری معاملات کم عقل شہریوں کے دائرہ فکر سے پرے ہیں۔ ملا کے بارے میں البتہ علامہ کی رائے درست ہے۔ تحریک آزادی میں علمائے پاکستان کا کوئی کردار نہیں تھا لہٰذا علامہ کشتیوں کے اس شکستہ پل پر جہاں چاہیں، درشن دیں۔ وقت تماشائی ہے اور تماشے کا کوئی منظر مستقل نہیں ہوتا۔

اب ایک نظر اس ربع صدی میں انسانی ترقی پر ڈالیے۔ 2001 کے بعد سے ڈیڑھ ارب انسانوں نے غربت کی لکیر سے نجات پائی ہے۔ انسانی تاریخ میں یہ معجزہ پہلی بار ہوا ہے۔ 1900 میں کل عالمی آبادی ڈیڑھ ارب سے کچھ اوپر تھی۔ غربت سے نکلنے والوں کی بڑی تعداد چین، بھارت، انڈونیشیا، برازیل اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ پچیس برس ٹیکنالوجی کی دنیا میں انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور مصنوعی ذہانت میں ناقابل یقین ترقی سے عبارت ہیں۔ طبی سائنس نے ڈی این اے اور جینز کی تفہیم نیز مصنوعی اعضا اور Stem cell کے شعبوں میں نئی بلندیاں سر کی ہیں۔ مصنوعی ذہانت نے آئندہ انسانی تاریخ کے بارے میں پیش بینی کرنا مشکل بنا دیا ہے۔ خلا کی تسخیر میں نئے آفاق تسخیر ہوئے ہیں۔ جہاں موسمی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں وہاں پیشہ ورانہ طور طریقے بھی بدل گئے ہیں۔ چین نے صرف بیس برس میں انتہائی تیز رفتار ریلوے لائنوں کا جال پچاس ہزار کلومیٹر تک پھیلا دیا ہے۔ آبادی میں پھیلاؤ نے Generation Gap کے خدوخال بدل دیے ہیں۔ ایک طرف سرمائے نے جمہوریت کے پیروں میں زنجیر ڈال دی ہے دوسری طرف عورتوں اور رنگ دار نسلوں نے عالمی فیصلہ سازی میں نئے امکانات کے در کھولے ہیں۔ متبادل توانائی کا انقلاب دستک دے رہا ہے جس سے سیاست اور معیشت کا عالمی نقشہ بدل جائے گا۔

یہ محض پچیس برس میں دشت امکاں پر ابھرنے والے چند نقش قدم ہیں۔ اس دوران پاکستان میں سیاسی قیادت نے 14 مئی 2006 اور 19 اپریل 2010 کو دو قدم اٹھائے تھے جن کا تاوان میموگیٹ سکینڈل، دھرنوں، پاناما گیٹ، ڈان لیکس اور ہائبرڈ رجیم کی صورت میں ادا کرنا پڑا۔ قوم کے جسد اجتماعی میں سیاسی شعور کا حیات بخش چشمہ خشک ہو گیا ہے۔ یمین و یسار میں سیاسی قوتیں مفلوج ہیں یا معتوب ہیں۔ صحافت ان دیکھے دھاگوں کی جنبش پر کٹھ پتلی بن چکی۔ داخلی اور بیرونی محاذ پر قابل قیاس پالیسی کا نام ونشان نہیں۔ مئی 2025 میں بھارت کے ساتھ فوجی تصادم کے بعد نئے مناظر نے جنم لیا ہے۔ رواں مالی سال کے پہلے چار مہینوں میں بیرونی سرمایہ کاری گزشتہ برس کے اسی دورانیے کے مقابلے میں 26 فیصد کم ہوئی ہے۔ موسم سرما میں اجنبی ساحلوں سے اترنے والے پرندے تو کم کم نظر آتے ہیں، دارالحکومت سے البتہ رنگارنگ کبوتروں کی ٹکڑیاں وقفے وقفے سے فضا میں بلند ہوتی ہیں۔ صاحبان خبر کہتے ہیں کہ ان کبوتروں کے پیروں میں بندھے آلات خوشگوار پیغامات نشر نہیں کر رہے۔ ٹھیک سات عشرے قبل ہم نے مغربی پاکستان کی وفاقی اکائیوں کو ون یونٹ کی شکل دے کر وفاق پاکستان کو نقصان پہنچایا تھا۔ آج کے مجمع باز چار وفاقی اکائیوں کی بنیاد پر بچھائی جانے والی آئینی بساط کے درپے ہیں۔ دنیا علم میں آگے بڑھ رہی ہے۔ معیشت کی ترتیب نو پر عرق ریزی کر رہی ہے۔ ہمارے بیچ سے وہ نجومی ہی اٹھ گیا ہے جو نئے سال کے اچھا ہونے کی خبر دیا کرتا تھا۔

(بشکریہ ہم سب)

سنسر شپ اور میں

حارث خلیق

یہ سب سے خوبصورت فلموں میں سے ایک تھی جو میں نے اپنے بچپن میں دیکھی تھیں

1956 میں، والٹر لینگ نے دی کنگ اینڈ آئی کی ہدایت کاری کی، جو کہ 19 ویں صدی کی سیام (تھائی لینڈ) کے تناظر میں بنائی گئی ایک ہالی ووڈ فلم تھی، جو چند سال قبل تیار کردہ موسیقی پر مبنی تھی۔ یہ موسیقی ایک یادداشت سے ماخوذ ناول سے متاثر تھی، جو اصل میں 1860 میں اینا لیونونس نے لکھا تھا۔ فلم میں اینا کا کردار ڈیبورا کیر نے اور سیام کے بادشاہ مونگ کٹ کا کردار یول برائنر نے ادا کیا ہے۔

یہ سب سے خوبصورت فلموں میں سے ایک تھی جو میں نے اپنے بچپن میں دیکھی تھیں۔ مجھے یہ بہت پسند آئی کیونکہ یہ ملبوسات، گانے، سسپنس اور ڈرامے سے بھری ہوئی تھا۔ مجھے صرف برائنر کا "et cetera et cetera et cetera" کا گانا پسند تھا، جس میں ایک انوکھی کشش تھی۔ شاید، میرے والدین کو یہ فلم اس وجہ سے زیادہ پسند آئی کہ وہ انسانی رشتوں کی حرکیات اور پیچیدگیوں کو سمجھ سکتے تھے، جسے میں اب بھی نہیں سمجھ سکتا، اور ایک عام ٹیچر کی ایک خاص ڈھب کے ساتھ طاقت کے سامنے سچ بولنے کی صلاحیت، تاکہ وہ بولتی رہیں اور غالب رہیں۔

مجھے وہ منظر اب بھی یاد ہے جہاں سیام کو دنیا کے نقشے پر حقیقت سے کہیں زیادہ بڑا دکھایا گیا ہے۔ وہم اور حقیقت کے درمیان طاقت کس طرح گھومتی ہے یہ آج تک ہر جگہ، بشمول ہمارے ملک میں سچ ہے۔

پاکستان میں سنسر شپ اور نظریات، افکار، تخلیقی فنون اور ادب کو سنسر کرنے کی تاریخ اتنی ہی طویل ہے جتنی کہ خود اس ملک کی اپنی تاریخ۔ کچھ لوگ بجا طور پر یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ یہ ہمیشہ سے وسیع تر انسانیت کا مسئلہ رہا ہے۔ ایسی چیزیں ہیں جنہیں اقتدار، شہنشاہ، کمانڈر، قاضی اور مولوی سننا، دیکھنا، سونگھنا، محسوس کرنا یا ماننا پسند نہیں کرتے۔ جو لوگ ان کی خدمت میں ہیں وہ اپنے آقاؤں کی مرضی کو عملی جامہ پہنانے کا آلہ کار بنے رہیں گے۔

یہ دنیا کے کسی بھی حصے کے لیے سچ ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ ہمیشہ کی طرح، ایسی ریاستیں اور معاشرے ہیں جن کے متعدد نقطۂ نظر کو قبول کرنے اور اختلاف رائے کے لیے رواداری میں پچھلی صدی کے دوران مسلسل اضافہ ہوا ہے اور 19 ویں صدی کے اواخر کی آخری چند دہائیوں کے دوران بھی بتدریج اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان، دریں اثنا، برطانوی ہندوستان کی جانشین نوآبادیاتی ریاستوں میں سے ایک ہے، جس کے تمام مستقل ادارے، جیسے بیوروکریسی، عدلیہ اور فوج، نوآبادیاتی میراث ہیں۔

ہم، اپنے اداروں، معاشی طبقات اور سماجی رویوں کے ساتھ، اب بھی ایک جدید جمہوریہ بننے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن، اس دوران، ہم ایک تنگ نظر ریاست رہے ہیں، عدم برداشت والے معاشرے کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ معاشرہ اس وقت سے ناقابل یقین حد تک سفاک ہو گیا ہے جب سے استعماری آقاؤں نے ریاست چلانے کی لپ اسٹک 'براؤن صاحبوں' کے ہاتھ میں دے دی تھی، جو بعد میں ریاست کے عسکری بازو کے ہاتھ آ گئی۔

مرحوم صحافی اور مصنف ضمیر نیازی (1932-2004) نے کئی کتابیں لکھیں، جن میں تین کتابیں خاص طور پر پاکستان میں میڈیا کی آزادی کو شروع سے ہی قلمبند کرتی ہیں۔ ان کی کتاب 'سنسر شپ کا جال' میں تخلیقی فن کی شکلوں بشمول فلموں پر عائد سنسر شپ کی کچھ مثالیں بھی شامل ہیں۔ نیازی اور چند دیگر افراد کا شکریہ، جن میں وہ

چند سال بعد، میں ریڈیو پاکستان پر چلنے والے طلباء کے پروگرام کا سرگرم حصہ بن گیا۔ کبھی کبھی میری ریکارڈ کردہ نظم نشر نہیں ہوتی تھی۔ آپا عصمت زہرہ کے پروڈیوسر بننے تک مجھے کسی نے نہیں بتایا۔ وہ معروف افسانہ نگار انتظار حسین کی بھانجی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میری نظمیں نشر نہیں ہوئیں کیونکہ ان میں کچھ ایسے الفاظ تھے جن پر ریڈیو پر پابندی عائد تھی۔

لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (PFUJ) کے لیے گزشتہ برسوں میں رپورٹیں لکھیں، صحافتی آزادیوں کی تاریخ چند سال پہلے تک درج ہے، اگر مکمل نہیں تو کم از کم ایک خاص حد تک۔

جب آپ فنی آزادیوں کی بات کرتے ہیں تو سعادت حسن منٹو سے لے کر استاد دامنت تک، غنی خان سے حبیب جالب تک، شیخ ایاز سے فہمیدہ ریاض تک، سرمد کھوسٹ سے عدیلہ سلیمان تک، ہم ایسے بہت سے تخلیقی لوگوں کے بارے میں جانتے ہیں جنہیں پابندیوں اور سنسر شپ کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ وہ اکثر اور قدامت پسند سماج اور ریاستی نظام کی کردار کشی کی مہم کا سامنا کرتے تھے اور وہ اکثر تضحیک آمیز اور غیر انسانی سلوک کا شکار بھی ہوتے تھے۔

البتہ، اب تک، کسی محقق یا مصنف نے ان اہم واقعات، توہین کے واقعات، قید کی سزاؤں، اور فنکاروں کو ان کے سماجی اور معاشی انتخاب کی وجہ سے جو نفسیاتی تناؤ کا سامنا کرنا پڑا، اور پاکستان میں فنکاروں اور ادبی طبقے کے ساتھ عام طور پر جو ناروا سلوک کیا گیا، ان کا جائزہ نہیں لیا اور اسے صحیح طریقے سے مرتب نہیں کیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہمارے کچھ نوجوان ماہرین تعلیم یا دانشور پاکستان میں فنی آزادیوں کے ماضی اور حال کی تاریخ اور تجزیہ کرنے کا چیلنج قبول کریں۔

1982 میں، میں نے پہلی بار ذاتی سطح پر سنسر شپ کا سامنا کیا۔ میں ابتدائی نوعمری میں تھا اور اسکول میگزین کے لیے ایک مزاحیہ تحریر لکھتا تھا۔ جب میگزین شائع ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ متن میں کہیں طنزیہ انداز میں استعمال ہونے والے لفظ 'بیوروکریٹ' کی جگہ 'بروکر' (broker) لگا دیا گیا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ پروف ریڈنگ کی غلطی تھی۔ لیکن ایسا نہیں تھا، جیسا کہ میرے ایک استاد نے بعد میں وضاحت کی۔

چند سال بعد، میں ریڈیو پاکستان پر چلنے والے طلباء کے پروگرام کا سرگرم حصہ بن گیا۔ کبھی کبھی میری ریکارڈ کردہ نظم نشر نہیں ہوتی تھی۔ آپا عصمت زہرہ کے پروڈیوسر بننے تک مجھے کسی نے نہیں بتایا۔ وہ معروف افسانہ نگار انتظار حسین کی بھانجی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میری نظمیں نشر نہیں ہوئیں کیونکہ ان میں کچھ ایسے الفاظ تھے جن پر ریڈیو پر پابندی عائد تھی۔

تقریباً اسی وقت 1980 کی دہائی کے وسط میں، جب میں نے ایک نیوز میگزین کے لیے مضامین اور مختصر کہانیاں لکھنا شروع کیں، تو ایک مذہبی جماعت کے طلبا نے آتشیں ہتھیار لہراتے ہوئے مجھے لکھنے سے باز رہنے کو کہا۔ 1990 کی دہائی کے وسط میں، جمہوری وقفوں میں سے ایک کے دوران، میری لکھی ہوئی ایک نظم کو موسیقار نجم شیراز نے اٹھایا اور اسے کمپوز کر کے گایا۔ پاکستان ٹیلی ویژن پر آڈیو اور ویڈیو دونوں پر پابندی لگا دی گئی تھی، اس وجہ سے کہ یہ ملک کے "معاشی مفادات" کے خلاف تھا۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے واقعات ہو چکے ہیں۔

سنسر شپ نقصان ضرور پہنچاتی ہے لیکن غلبہ پانے میں ناکام رہتی ہے۔

سلام

سلام اس دور کے انساں سلام
تجھے بستی کے زیر و بم سے آگے
دیکھنے کا ڈھنگ آتا ہے
نئے انسان تو نے
نفرتوں کے ہر ویلے
چھوٹے پن کے ہر بہانے
اور جدل کے مگر حیلے کو
سر بازار رسوا کر دیا ہے
بجا دنیا ابھی جنت نہیں ہے
مگر دنیائے رنگیں میں
تمہارے جذب وایقاں نے
الگ بستی بسائی ہے
کبھی پاتال میں اُتری یہ مشت خاک
پھر دیکھا! ستاروں پر چڑھائی ہے
کئے اسباب پیدا
زندگی آسان ہو جائے
بہر صورت رواں موج نفس
جب تک رہے زمیں پر گھاس
آنکھوں میں تروات ہو
سلام انسانیت کے پاسبانو
جو انسانوں کے رتبے کو بلا تخصیص مذہب
رنگ دلت مشرق و مغرب برابر جانتے ہو
تمہارے عزم سے دُنیا میں باقی ہے
جو امکاں آج لگتا ہے خلل سا
تمہاری کوششوں سے زندگی کا
ہوا ہے بوجھ کچھ پہلے سے ہلکا
یہ دنیا خوبصورت اور بھی ہو
امن کے خواب کی تکمیل ہو
ملے انصاف سب کو ایک جیسا
سلام اس دور کے انساں سلام
شعور حال کے خوگرحکایات گذشتہ بھی
تو جو موجود و نا موجود سب کے گیان میں وارد
سلام اس دور کے انساں سلام

(پیٹر جیکب)

انسانی حقوق کے بنیادی تصورات

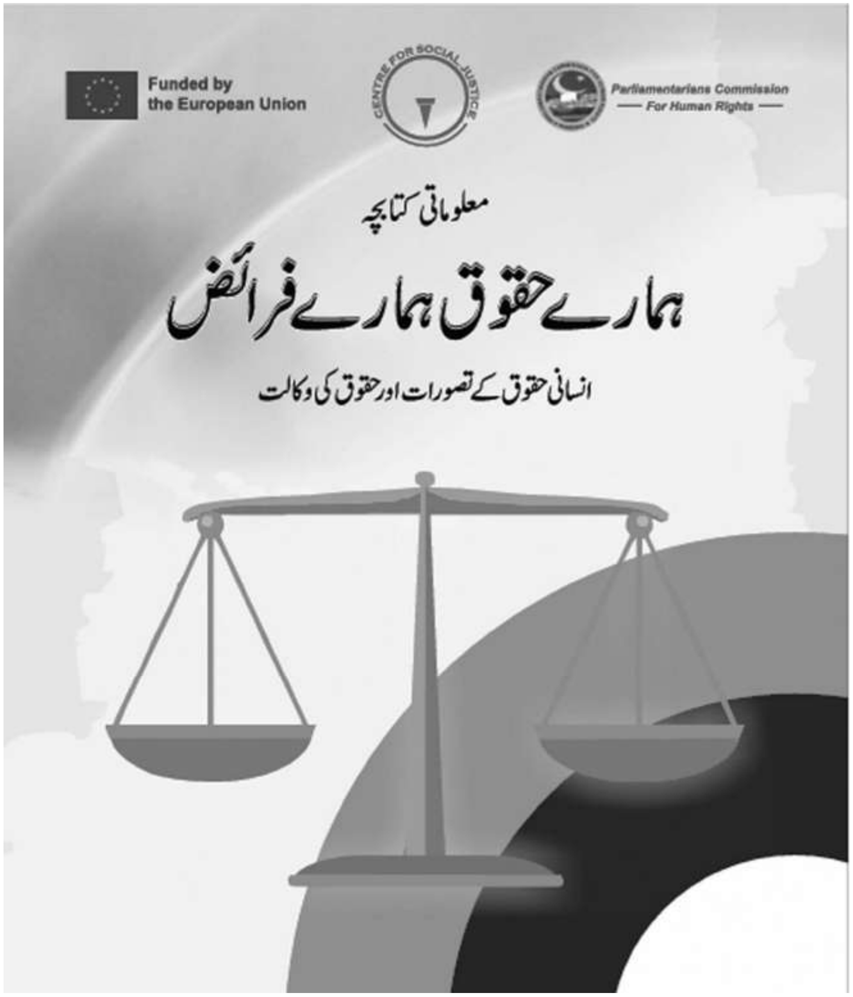

انسانی حقوق سے مراد کچھ اصول، ضابطے اور قوانین ہیں جو بلا کسی امتیاز کے تمام انسانوں کو کچھ مسلمہ آزادیوں اور (قانونی تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں حقوق کی تفہیم اور فوری اطلاق کی اہمیت پر زور دینے کے لئے بنیادی

انسانی حقوق کو آفاقی حقوق (یونیورسل) بھی کہا جاتا ہے اوران کے نفاذ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے ان کے ایکنی حقوق ہونے کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزی کسے کہتے ہیں؟

جرم چھوٹا ہو یا بڑا، جب کسی کو کوئی نقصان پہنچتا ہے، دکھ ہوتا ہے، کوئی آنکھ روتی ہے۔ تو کوئی ناانصافی ہوئی ہوتی ہے انسانی حقوق کی پامالی/ خلاف ورزی سے بھی یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن مُجرم اور انسانی حقوق کی خلاف وزری میں کچھ فرق ہے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزی وہ ہے جہاں آئین پاکستان یا بین الاقوامی انسانی حقوق میں درج کسی مسلمہ حق کی نفی کی جائے یا اُن معیارات (آزادیوں اور تحفظات) کو پامال کیا جائے۔ لہذا عام قانون کی خلاف ورزی جرم تو انسانی حقوق کی خلاف ورزی اس کی پامالی کہلاتا ہے۔ جرم میں دو یا دو سے زیادہ شہری فریق اور ریاست مجرم کے مخالف پارٹی ہوتی ہے،

انسانی حقوق کی پامالی کی صورت میں ریاست پامالی روکنے، اسکا ازالہ کرنے اور حقوق کا احترام بحال کرنے یا عمل داری قائم کرنے کی پابند ہوتی ہے۔

فوجداری قانون کی خلاف ورزی کو جرم تو انسانی حقوق کے قانون کی خلاف ورزی، حقوق کی پامالی کہلاتا ہے۔ اسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک براہ راست یا کھلے بندوں۔ کسی مسلمہ حق کی خلاف ورزی۔ اسے Gross Human Rights Violation یا انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزی بھی کہا جاتا ہے مثلاً کسی شخص کو حبس بے جا میں قید کرنا یا اسکی نقل و حرکت پر پابندی لگا دینا، پرامن اجتماع کی اجازت نہ دینا،

سیاسی نظریات کی بناء پر اظہار رائے کی آزادی سے محروم کرنا وغیرہ تو دوسری قسم Systemic Human Rights Violation جو ڈھکی چھپی بھی ہوتی ہے لیکن اسکے پیچھے کئی عناصر وعوامل ہو سکتے ہیں مثلاً بھٹوں اور کھیتوں میں پیشگی کے ذریعے مزدوروں کو جبری مشقت یا نیم غلامی میں جکڑنا، انسانی سمگلنگ وغیرہ۔

ان کے پیچھے کارفرما غربت، بااثر حلقوں کی پشت پناہی، حقوق سے ناواقفیت اور فرسودہ روایات جیسے کئی عوامل ہوتے ہیں اس لئے ان کے تدارک کے لئے

جامع اور طویل مدت کے اقدامات ضروری ہوتے ہیں۔ اسی لئے ان کو تہہ دار اور نظام سے جڑی خلاف ورزیاں کہا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا تدارک یا روک تھام

معاشرہ کو انسانی حقوق کے احترام کے اصول پر استوار کرنے کے لئے جہاں نشر واشاعت کے ذریعے نیکی کے اس دائرے کو وسیع کرنا اور اس فریم ورک کی حمایت پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے وہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی نشاندہی اور انکا سد باب کچھ عملی اقدامات کا بھی تقاضا کرتا ہے یعنی:

1۔ ایسے واقعات کی تحقیق اور رپورٹنگ۔
2۔ ان واقعات کو متعلقہ اداروں/محکموں کے علم میں لانا۔
3۔ ثرین کا رابطہ ایسی تنظیموں اور افراد سے کروانا جو ان مخصوص مسائل کے حل میں مہارت رکھتے ہوں۔
4۔ انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات میں دادرسی اور تدارک کے لئے حکمت عملی (سٹریٹیجی) بنانا۔ حکومتی اداروں کی مدد لینا۔
5۔ قانونی امداد دینا یا قانونی امداد کے لئے رابطے کروانا۔ ضروری معاملات پر پیشہ وارانہ مدد لینا مثلاً ماہر نفسیات، وکیل، صحافی وغیرہ۔
7۔ کسی کیس کا مسلسل جائزہ لینا اور اسے منطقی انجام تک پہنچانا۔

انسانی حقوق کی پامالیوں کی تحقیق ورپورٹنگ

فیکٹ فائنڈنگ سے مراد حقائق کا کھوج لگانا، جان کاری حاصل کرنا اور کسی واقعہ کی تحقیق کرنا ہے۔ کسی واقعہ کی تحقیق کیلئے جن بنیادی باتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے، جس کے لئے درج ذیل چیک لسٹ آپکی معاونت کرسکتی ہے۔

0۔ فیکٹ فائنڈ جنگ کیلئے تیاری: کاپی، پین، پنسل، کیمرہ، ٹیپ ریکارڈر، موبائل وغیرہ
1۔ واقعہ کی بنیادی معلومات
2۔ واقعہ کا محل وقوع
3۔ کم از کم دو افراد پر مشتمل ٹیم کی تشکیل (خاتون کی شمولیت)۔ البتہ اگر ممکن ہو تو تجربہ کار صحافی اور وکیل کو بھی شامل کیا جائے۔
4۔ ثقافت سے جان کاری اور اس کا احترام۔
5۔ متاثرین اور ملزمان کے علاوہ غیر جانبدار ذرائع سے معلومات اکٹھی کرنا۔

فیکٹ فائنڈنگ کے لیے بنیادی سوال

1۔ واقعہ کیا ہوا؟ (اغوا، زنا، قتل، تشدد وغیرہ)
2۔ واقعہ کب ہوا؟ (سال، مہینہ، دن، تاریخ، وقت)
3۔ واقعہ کہا ہوا؟ (تحصیل، ضلع، شہر، گاؤں، محلّہ، گلی وغیرہ۔
4۔ واقعہ کیوں ہوا؟ سیاسی، مذہبی، خاندانی وجوہات (بشمول ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق)
5۔ واقعہ کیسے ہوا؟ (تفصیل)
6۔ واقعہ کے متاثرین کے کوائف: (نام عمر جنس قوم، ولدیت یا زوجیت، پیشہ، عہدہ، معاشی/ سماجی حیثیت وغیرہ)۔
7۔ واقعہ کے ذمہ دار افراد کے کوائف: (نام)، عمر، جنس، قوم، ولدیت یا زوجیت، پیشہ، عہدہ، معاشی/ سماجی حیثیت وغیرہ)
8۔ متعلقہ دستاویزات کا حصول: (ایف آئی آر، میڈیکل رپورٹ، اخباری تراشے، تصاویر وغیرہ)۔
9۔ تازہ ترین صورتحال

تحقیق کے بنیادی اخلاق اصول

☆ تحقیق سے قبل کوئی نتیجہ اخذ نہ کریں۔
☆ فریقین سے ملاقات کے حوالے سے سوالات پہلے تیار کرلیں۔
☆ رویہ مفاہمانہ رکھیں۔
☆ غیر جانبداری مکمل طور پر برقرار رکھیں۔
☆ ایک فریق کی معلومات دوسرے فریق کو بتانے سے پرہیز کریں۔
☆ جمع کردہ معلومات کی تصدیق کریں اور جہاں تک ممکن ہو سب فریقین کا موقف رپورٹ کریں۔

رپورٹ لکھنے کی احتیاطیں

1۔ تحریر غیر جانبدارانہ اور تعصّبات سے پاک ہو۔
2۔ تحریر میں اسم صفت سے گریز کریں۔ تاکہ مبالغہ کا خدشہ کرتے رہیں۔ جب تک کہ کیس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔
3۔ جملے مختصر اور سادہ ہوں۔
4۔ رپورٹ واضح اور جامع ہو۔

رپورٹ رائٹنگ

فیکٹ فائنڈنگ کے بعد رپورٹ لکھتے وقت تین نکات کو لازمی طور پر ذہن نشین رکھیں

1۔ عنوان اور رپورٹ کا خلاصہ
2۔ مندرجہ بالا پانچ ڈبلیوز اور ایک ایچ کی تفصیل درج کریں۔
3۔ تازہ ترین صورتحال

نوٹ

1۔ کیس کی پیروی (فالواپ) جاری رکھیں اور اس سے متعلقہ معلومات جمع کرتے رہیں۔ جب تک کیس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔
2۔ اجازت لے کر، کیس سے متعلقہ تصاویر لیں اور ان کے کوائف و دستاویزات حاصل کرلیں تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئیں۔

انسانی حقوق کا عالمی دن: پاکستان میں بحران، امید اور جدوجہد کا نیا منظرنامہ (یوسف عابد)

انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ملک بھر میں مختلف تقریبات، سیمینارز اور مکالمے منعقد کیے جا رہے ہیں، جن میں انسانی حقوق کی موجودہ عالمی وقومی صورتحال، چیلنجز اور مستقبل کی ترجیحات پر گفتگو تو کی گئی لیکن یہ امر اہم ہے کہ انسانی حقوق کاغذوں کا نہیں، انسانوں کی زندگیاں بہتر بنانے کا نام ہے۔ یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس کو 75 برس مکمل ہو چکے ہیں، مگر دنیا آج بھی ان وعدوں سے کہیں پیچھے ہے جن میں وقار، برابری، آزادی اور تحفظ شامل تھے۔ عالمی سطح پر انسانی حقوق کی صورتحال کے اعداد و شمار خطرے کی گھنٹی ہیں، مختلف بین الاقوامی اداروں —اقوام متحدہ، آئی ایل او، ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل— کی رپورٹس کے مطابق عالمی صورتحال تشویشناک ہے کیونکہ دنیا میں اس وقت 11 کروڑ سے زائد افراد جبری نقل مکانی کا شکار ہیں، جو تاریخ کی سب سے بڑی تعداد ہے۔ ہر سال 7 لاکھ سے زیادہ خواتین اور لڑکیاں استحصال اور انسانی اسمگلنگ کا شکار ہوتی ہیں۔ ڈیجیٹل سپیس میں 90 فیصد ڈیپ فیک جنسی مواد خواتین کے خلاف استعمال ہو رہا ہے اور دنیا کے 40 فیصد ممالک میں اظہارِ رائے اور صحافت پر رکاوٹیں موجود ہیں۔ ٹیکنالوجی کے تیز رفتار استعمال نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی شکل بدل دی ہے جبکہ انصاف کی رفتار ابھی تک اس تبدیلی کا ساتھ نہیں دے سکی۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی پیچیدہ تصویر ہی ہر جانب نظر آتی ہے کہ مختلف اداروں کی رپورٹس کے مطابق پاکستان میں متعدد انسانی حقوق کے مسائل بدستور برقرار ہیں کہ سالانہ 20 ہزار سے زائد خواتین گھریلو تشدد کا شکار ہوتی ہیں، جب کہ رپورٹ ہونے والے کیسز اصل تعداد کا محض ایک فیصد ہیں۔ 73 فیصد خواتین صحافی آن لائن تشدد یا ہراسگی کا سامنا کرتی ہیں۔ 2022 کے سیلاب کے اثرات اب بھی برقرار ہیں اور لاکھوں خاندان بحالی کے منتظر ہیں۔ ایک جانب جبری گمشدگیوں کے سیکڑوں کیسز تا حال حل طلب ہیں تو دوسری جانب افغان مہاجرین کی زبردستی واپسی کے فیصلے نے انسانی حقوق کے سنگین سوالات کو جنم دیا ہے۔ سب سے زیادہ متاثر ہونے والے طبقات میں خواتین، بچے، اقلیتیں، پناہ گزین، مزدور اور ڈیجیٹل سپیس استعمال کرنے والی نوجوان لڑکیاں شامل ہیں۔ جنوبی پنجاب میں وسائل کی کمی اور مسائل کی زیادتی ہے، جہاں انسانی حقوق کے بحران زیادہ شدید ہیں کہ سیلاب اور ماحولیاتی تباہی کے تناظر میں 2025 کے سیلاب میں لاکھوں افراد بے گھر ہوئے۔ علی پور، کوٹ مٹھن، روجھان اور جلال پور کے کئی علاقے اب تک بحالی سے محروم ہیں۔ خواتین اور بچیوں میں غذائی قلت، صحت اور ماہواری کی ضروریات کے مسائل بڑھ گئے ہیں۔ گھریلو تشدد، کم عمری کی شادی اور غیرت کے نام پر قتل کے کیسز میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ڈیرہ غازی خان اور راجن پور میں خواتین کی پولیس تک رسائی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ ملتان، بہاولپور اور رحیم یار خان میں آن لائن ہراسگی، بلیک میلنگ اور نجی تصاویر کے غلط استعمال کے کیسز میں نمایاں اضافہ ہوا ہے جبکہ ایف آئی اے کے سائبر کرائم ونگ کی محدود صلاحیت ایک بڑا چیلنج قرار دی جا رہی ہیں، تو وہیں مذہبی اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیزی، عبادت گاہوں کے تنازعات اور مقدس مقامات پر حملوں کے واقعات نے تشویش پیدا کر دی ہے۔ اس وقت انسانی حقوق کے تناظر میں اہم ضرورت یہ ہے کہ سائبر کرائم، خواتین کے تحفظ اور اقلیتوں کے حقوق کے لیے سخت اور مؤثر قانون سازی کی جائے۔ وائلنس اگینسٹ ویمن سینٹرز، کرائسز سیلز اور قانونی امدادی مراکز کا دائرہ کار وسیع کیا جائے، صحافیوں، انسانی حقوق کے محافظوں اور سوشل میڈیا کارکنوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے اور ماحولیاتی انصاف کو بنیادی انسانی حق تسلیم کرتے ہوئے جنوبی پنجاب کے لیے خصوصی ترقیاتی منصوبے اور ایمرجنسی سپورٹ پیکج فراہم کیا جائے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ "جب تک ایک بھی شہری عزت، تحفظ، صحت، انصاف یا آواز سے محروم ہے— ہماری جدوجہد مکمل نہیں ہو سکتی"۔ اس لئے انسانی حقوق کا تحفظ صرف ایک دن کا مطالبہ نہیں، بلکہ ہر روز کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ محفوظ انسان— ہی مضبوط پاکستان ہے۔

(بشکریہ لبِ آزاد)

شادی شدہ خاتون قتل

راولپنڈی واہ کینٹ کے علاقے لالہ زار کالونی میں غیرت کے نام پر شادی شدہ خاتون کے بہیمانہ قتل کا دلخراش واقعہ سامنے آ گیا۔ پولیس کے مطابق مقتولہ سمیرا عزیز ایک ہفتہ قبل قطر سے اپنے چچا شوکت اور فیصل کے ہمراہ پاکستان آئی تھی۔ پولیس کا کہنا ہے کہ مقتولہ کو گولیاں مار کر قتل کیا گیا اور لاش کو ہسپتال منتقل کیا جا رہا تھا کہ پولیس نے موقع پر پہنچ کر لاش کو تحویل میں لے لیا۔ واقعہ کا مقدمہ سب انسپکٹر آصف اقبال کی مدعیت میں غیرت کے نام پر قتل کی دفعات کے تحت درج کر لیا گیا ہے۔ ایف آئی آر کے متن کے مطابق گزشتہ شام مقتولہ کے گھر ولید، اسرار اور صابر آئے، اس وقت گھر میں مقتولہ کے والد اور چچا فیصل اور شوکت بھی موجود تھے، ملزم آپس میں بیٹھ کر مشورے کرتے رہے جن کی باتیں مقتولہ کی بہن نے بھی سنیں۔ مقدمہ کے مطابق رات کے وقت دروازے پر دستک ہوئی جس پر مقتولہ اور اس کی بہن نے چچی کو دروازہ کھولنے سے منع کیا، تاہم چچا امتیاز نے قطر سے فون کر کے دروازہ کھولنے کا کہا۔ اس کے بعد قریبی رشتہ دار ولید اور اسرار گھر میں داخل ہوئے جبکہ صابر دروازے پر کھڑا رہا۔ ایف آئی آر میں بتایا گیا ہے کہ بہنوئی سلیمان نے قطر سے چچی سعیدہ کو ویڈیو کال پر ولید وغیرہ کی بات کرانے کا کہا، بعد ازاں ملزمان سمیرا عزیز کو اوپر والی منزل کے کمرے میں لے گئے جہاں رات ساڑھے دس بجے ولید اور اسرار نے پستول سے فائرنگ کر کے سمیرا عزیز کو قتل کر دیا۔ پولیس کے مطابق واردات کے بعد ملزمان ولید اور اسرار موقع سے فرار ہو گئے جبکہ کچھ دیر بعد چچا شوکت اور فیصل گھر پہنچے۔ مقدمہ میں الزام لگایا گیا ہے کہ مقتولہ کے شوہر سلیمان نے قطر میں اپنی اہلیہ کو کسی غیر مرد سے فون پر بات کرتے دیکھا تھا، جس کے بعد اس کے کہنے پر سمیرا عزیز کو قتل کیا گیا۔

(بشکریہ لبِ آزاد)

ہاری خاندان کی بازیابی

سانگھڑ ضلع سانگھڑ کی تحصیل سنجھورو کے شہر جھول میں سانگھڑ کے ایڈیشنل سیشن جج غلام مرتضی بلوچ کی عدالت کے حکم پر ایس ایچ او جھول انسپکٹر احمد علی شر کا گاؤں فدا حسین رند میں زمیندار بھورو کھوسو کی زرعی زمین پر چھاپہ۔ ایک سال سے غیر قانونی طور پر حبس بیجا میں رکھے بھیل ہاری خاندان کے مرد، خواتین اور بچوں سمیت 22 افراد کو جھول پولیس نے با حفاظت بازیاب کروا کر ایڈیشنل سیشن جج سانگھڑ غلام مرتضی بلوچ کی عدالت میں پیش کیا۔ درخواست گزار ھوتی بھیل نے معزز عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ گاؤں فدا حسین رند کے زمیندار بھورو کھوسہ، حنیف کھوسہ، ان کے ملازم کیول بھیل اور وارث عمرانی نے گزشتہ ایک سال سے ان کے خاندان کے 22 افراد کو غیر قانونی طور پر حبس بیجا میں رکھتے ہوئے ان سے زبردستی جبری مشقت لے رہے تھے اور ان کے خاندان کی جانب سے گزشتہ ایک سال کی کاشت کردہ فصلوں کا حساب کتاب نہیں دے رہے تھے۔ فصلوں کا حساب کتاب مانگنے پر میرے خاندان کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیتا تھے۔ میرے خاندان کو صرف زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے کے لئے راشن مہیا کیا جاتا تھا۔ دوسری جانب ایس ایچ او جھول احمد علی شر کا کہنا تھا کہ گاؤں فدا حسین رند کے زمیندار کی زرعی زمین سے بازیاب ہونے والے ہاری خاندان کے 22 افراد کو سانگھڑ کی ایڈیشنل سیشن جج غلام مرتضی بلوچ کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ معزز عدالت نے خاندان کے تمام 22 افراد کو پولیس کی تحویل سے آزادی اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا حکم دیا اور پولیس کو انھیں تحفظ فراہم کرنے کرنے کی ہدایت کی۔ (ابراہیم خلجی)

لاہور کے ناصر باغ میں پارکنگ پلازہ، ترقی کے نام پر درختوں کی قربانی کیوں؟

قیصرہ صدیق

شہروں کو صرف عمارتوں، سڑکوں اور بازاروں کا مجموعہ سمجھنا بہت بڑی خام خیالی ہے۔

شہر انسانوں، جانوروں اور پودوں کے باہمی رشتوں سے جڑی ایک جیتی جاگتی، سانس لیتی زندہ اکائی ہیں۔ ان اکائیوں کو متوازن رکھنے میں درخت بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

درخت نہ صرف فضاء کو صاف ستھرا رکھتے ہیں بلکہ شہروں کے درجہ حرارت، فضاء کا معیار، حیاتیاتی تنوع اور انسانی صحت کو براہِ راست متاثر کرتے ہیں۔ فضا میں موجود نقصان دہ گیسوں، دھول اور فضائی آلودگی کو کم کرتے ہیں۔ شہروں میں بڑھتا ہوا سموگ اور سانس کی بیماریاں اسی وقت کم ہو سکتی ہیں جب شہروں میں جنگلات اور درخت زیادہ ہوں گے۔

بدقسمتی سے پاکستان سمیت دنیا بھر میں ترقی کے نام پر سب سے پہلے درختوں کو قربان کیا جاتا ہے۔ سڑک کی توسیع ہو، میٹرو سسٹم بن رہا ہو یا نئی ہاؤسنگ سکیمیں، درخت کاٹ دینا سب سے آسان حل سمجھا جاتا ہے۔

آج یہی سب ناصر باغ لاہور کے ساتھ بھی کیا جا رہا ہے۔ بہت سی جگہیں اپنی تاریخ، ثقافت اور فطرت سے پہچانی جاتی ہیں۔ ناصر باغ بھی ایسی ہی ایک علامت ہے۔ اس باغ میں پارکنگ پلازہ پراجیکٹ کے لیے کاٹے جانے والے درختوں پر بات کرنے سے پہلے اس باغ کی تاریخی اور ثقافتی اہمیت پر بات کرنا بہت ضروری ہے۔

مال روڈ پر واقع ناصر باغ ایک ایسا مقام ہے جو لاہور کی صدیوں پرانی تہذیبی روح کا حصہ رہا ہے۔ یہ محض ایک سبزہ زار نہیں ہے بلکہ شہر کی تاریخ، ثقافت اور اجتماعی یادداشت کا حصہ ہے۔

یہ باغ قدیم لاہور کی شہری منصوبہ بندی، نوآبادیاتی دور کی ورکنگ کلاس بستیوں اور قیامِ پاکستان کے بعد کی شہری سرگرمیوں کا گواہ ہے۔ ناصر باغ نے ہمیشہ سیاسی، سماجی اور ادبی تحریکوں کی میزبانی کی ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں جلسے جلوس ہوئے، احتجاج اٹھے، ادبی محفلیں سجیں، نسلیں جوان ہوئیں، طالب علموں نے اپنے خواب ترتیب دیے اور عوامی آواز نے پہچان پائی۔

اس باغ میں موجود سایہ دار، عمر رسیدہ درخت صرف ماحول کا حصہ نہیں بلکہ وہ یادوں، تجربوں اور شہری تاریخ کے امین ہیں۔ اس باغ کے بڑے، پرانے اور گھنے درخت نہ صرف ماحولیاتی ورثہ ہیں بلکہ لاہور کی شہری تاریخ کا ایک زندہ باب بھی ہیں۔ یہ باغ لاہور کی اجتماعی پہچان کا ایک مستقل حوالہ ہے ایک ایسا ورثہ جسے صرف 'زمین کا ٹکڑا' سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ناصر باغ محض ایک سبزہ زار نہیں ہے بلکہ شہر کی تاریخ، ثقافت اور اجتماعی یادداشت کا حصہ ہے

حالیہ حکومتی منصوبے کے مطابق ناصر باغ کے قدیم درخت کاٹ کر ایک پارکنگ پلازہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔

سوال صرف یہ نہیں کہ درخت کاٹے جا رہے ہیں، سوال یہ بھی ہے کہ کیا واقعی یہ ترقی ہے اور ترقی کے نام پر سب سے پہلے درختوں کو ہی کیوں ہدف بنایا جاتا ہے؟

دنیا بھر کے بڑے شہروں کو ایک جیسے مسائل کا سامنا ہوتا ہے جیسے ٹریفک کا دباؤ، پارکنگ کی کمی، شہر کا پھیلاؤ، تو کیا دنیا ان مسائل کو ایسے ہی حل کرتی ہے جیسے ہم کر رہے ہیں؟

دنیا کے ترقی یافتہ شہر اپنے پارکوں کو قانونی تحفظ دیتے ہیں۔ جیسے کہ نیویارک سنٹرل پارک اور ٹوکیو میں یونو پارک۔ ان کے علاوہ سینکڑوں ایسے پارکس ہیں جن کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہے کہ پارک کے اندر کوئی نئی تعمیر، پارکنگ یا کمرشل سرگرمی نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ زیرِ زمین تعمیرات بھی سخت نگرانی میں ہوتی ہیں تاکہ جڑوں کو نقصان نہ ہو۔

سنگاپور، جرمنی، سویڈن، کینیڈا اور جاپان جیسے ممالک میں درخت کاٹنے کی اجازت صرف سائنسی رپورٹ اور شہری کمیشن کی منظوری سے ملتی ہے۔ اگر کسی منصوبے میں درخت خطرے میں آ جائیں تو تین اصول لاگو ہوتے ہیں

منصوبہ دوبارہ ڈیزائن کیا جائے تاکہ درخت بچ سکیں۔

اگر ممکن نہ ہو تو سائٹ تبدیل کی جائے۔

آخری قدم کے طور پر صرف نہایت کم درخت منتقل کیے جاتے ہیں۔

درختوں کو منتقل کرنا وہاں بھی ایک غیر معمولی عمل ہے جس سے حتی الامکان بچا جاتا ہے۔

یورپی یونین کے ممالک میں شہروں میں ہر ترقیاتی منصوبے کے ساتھ ایک ماحولیاتی لاگت کی رپورٹ لازمی ہوتی ہے جس میں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ

کتنے درخت متاثر ہوں گے؟

ہوا، درجہ حرارت، پرندوں اور شہری صحت پر کیا اثر پڑے گا؟

متبادل کیا ہو سکتا ہے؟

اگر کسی درخت کو ہٹانا ضروری ہو تو پہلے کم از کم 10 نئے درخت لگائے جاتے ہیں پھر پرانا درخت منتقل کیا جاتا ہے۔

اگر نقصان زیادہ ہو تو منصوبہ مسترد کر دیا جاتا ہے۔

دنیا بھر کے کامیاب ترقیاتی شہروں ایسا کرتے ہیں کہ پارک یا درخت متاثر ہوں تو عوامی سماعت کی جاتی ہے جس میں شہری، طلبہ، سائنس دان، ماحولیات کے ماہرین اپنی رائے دیتے ہیں اگر شہری مخالفت کریں تو منصوبہ خود بخود رُک جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بڑے تنازعات کم پیدا ہوتے ہیں۔

پاکستان کے پاس ماہرین ماحولیات، پالیسی فریم ورک سب موجود ہے۔ اگر کمی ہے تو صرف ترجیحات، مشاورت اور منصوبہ بندی کی ہے۔

اگر لاہور جیسے تاریخی شہر میں ترقی کرنا ہے تو یہ ترقی ایسی ہو کہ درخت بھی محفوظ رہیں، پارک بھی جیتے رہیں اور شہری سہولتیں بھی بہتر ہوں۔

دنیا نے ثابت کر دیا ہے کہ اصل ترقی وہی ہے جو فطرت کو قربان کیے بغیر آگے بڑھے!

عمران خان کی اہلیہ کی جیل کی صورتحال پر انسانی حقوق کے ماہرین کو تشویش

تشدد اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک کے خلاف اقوام متحدہ کی خصوصی اطلاع کار ایلس جل ایڈورڈز نے پاکستان کے سابق وزیراعظم عمران خان کی اہلیہ بشریٰ بی بی کو مبینہ طور پر نامناسب حالات میں قید رکھے جانے پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ بشریٰ بی بی کو دوران قید ایسے حالات میں رکھا گیا ہے جو ان کی جسمانی اور ذہنی صحت کے لیے سنگین خطرہ بن سکتے ہیں۔بشریٰ بی بی پاکستان کے شہر راولپنڈی کی اڈیالہ جیل میں قید ہیں۔اطلاعات کے مطابق، مبینہ طور پر انہیں ایک چھوٹے اور غیر ہوادار کمرے میں رکھا گیا ہے جہاں صفائی کا انتظام نہیں، بجلی بند ہو جانے کے باعث گرمی اور اندھیرا رہتا ہے اور حشرات کی بھرمار ہے۔علاوہ ازیں، مبینہ طور پر انہیں پینے کے لیے آلودہ پانی اور کھانا دیا جاتا ہے۔انہیں دانت کے انفیکشن اور قید کے ایک سابقہ دورانیے میں مبینہ طور پر ناقص خوراک دیے جانے کے باعث معدے کے السر کی شکایت ہے۔

بنیادی حقوق کی فراہمی کا مطالبہ

اطلاع کار نے کہا ہے کہ یہ حالات کم از کم بین الاقوامی معیار سے بھی کہیں کم تر ہیں۔کسی بھی قیدی کو شدید گرمی، آلودہ خوراک اور پانی یا ایسے حالات کا سامنا نہیں ہونا چاہیے جو پہلے سے موجود طبی مسائل کو مزید بگاڑ دیں۔حراست کی شرائط اور مقامات کا تعین کرتے وقت قیدی کی عمر، جنس اور صحت کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔انہوں نے کہا ہے کہ ایسی اطلاعات بھی موصول ہوئی ہیں کہ مبینہ طور پر بشریٰ بی بی کو اکثر 22 گھنٹے یا اس سے زیادہ وقت تقریباً مکمل تنہائی میں رکھا جاتا ہے اور بعض اوقات یہ مدت دس روز سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔اس دوران انہیں ورزش، مطالعے کا مواد، وکیل تک رسائی، اہل خانہ سے ملاقات یا اپنے ذاتی معالجین سے علاج کی اجازت نہیں دی جاتی۔اس نوعیت کی طویل تنہائی ذہنی دباؤ میں شدید اضافہ کرتی ہے اور بنیادی حفاظتی حقوق تک رسائی میں رکاوٹ بنتی ہے۔طبی مسائل کے ساتھ یہ صورتحال صحت کو لاحق خطرات میں اضافہ کر دیتی ہے۔اطلاع کار نے بشریٰ بی بی کے معاملے کو باضابطہ طور پر حکومت پاکستان کے سامنے بھی اٹھایا ہے اور کہا ہے کہ وہ اس معاملے پر گہری نظر رکھیں گی۔

غیر جانبدار ماہرین واطلاع کار

غیر جانبدار ماہرین یا خصوصی اطلاع کار اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کے خصوصی طریقہ کار کے تحت مقرر کیے جاتے ہیں جو اقوام متحدہ کے عملے کا حصہ نہیں ہوتے اور اپنے کام کا معاوضہ بھی وصول نہیں کرتے۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

بلوچستان کی خواتین وکلاء آن لائن ہراسانی کے خلاف متحد

پاکستان میں اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (یو این ڈی پی) کے اشتراک سے صوبہ بلوچستان میں خواتین وکلا کی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجی اور مصنوعی ذہانت کے دور میں وکالت پیشہ خواتین کو لاحق مسائل اور ان سے نمٹنے کے طریقے زیر بحث آئے۔یہ کانفرنس خواتین کے ساتھ آن لائن بدسلوکی کے خلاف 16 روزہ مہم کی مناسبت سے منعقد کی گئی جس میں موبائل فون اور سوشل میڈیا سمیت جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے ہونے والے صنفی تشدد (ٹی ایف جی بی وی) پر خاص طور سے بات چیت ہوئی۔صوبائی دارالحکومت کوئٹہ میں اس کانفرنس کا انعقاد یورپی یونین کے مالی تعاون سے جاری 'فراہمی انصاف منصوبے' کے تحت ہوا جسے 'یو این ڈی پی' کے علاوہ بلوچستان بار کونسل کا تعاون بھی حاصل رہا۔یہ اس موضوع پر ہونے والی دوسری کانفرنس تھی جس میں صوبہ بھر سے 85 سے زیادہ خواتین وکلا نے شرکت کی۔اس سے پہلے خیبر پختونخوا میں بھی ایسی ہی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آچکا ہے۔پاکستان میں یو این ڈی پی کی نائب وان نگوین ویڈیو لنک کے ذریعے کانفرنس سے خطاب کر رہی ہیں۔

آن لائن تشدد سے آگاہی

کانفرنس میں 'یو این ڈی پی' کی جانب سے 'ٹی ایف جی بی وی' پر ایک تعارفی سیشن بھی شامل کیا گیا جس کا مقصد خواتین، لڑکیوں اور پسماندہ طبقات کے خلاف آن لائن تشدد کے بارے میں آگاہی پیدا کرنا تھا۔'ٹی ایف جی بی وی' سے نمٹنے کے موضوع پر ایک مباحثہ بھی منعقد ہوا جس کی صدارت بلوچستان میں 'یو این ڈی پی' کے ذیلی دفتر کے سربراہ ذوالفقار درانی نے کی جبکہ پینل میں سابق محتسب بلوچستان صابرہ اسلام، ایڈووکیٹ سردار قدیر، سابق چیئرپرسن بلوچستان کمیشن برائے خواتین فوزیہ شاہین اور ایڈووکیٹ فرزانہ خلجی شامل تھیں۔مباحثے میں 'ٹی ایف جی بی وی' سے متعلق مقدمات کی نوعیت، قوانین میں موجود مسائل، شواہد جمع کرنے کے طریقہ کار اور خواتین، لڑکیوں اور پسماندہ طبقات کے لیے محفوظ آن لائن ماحول قائم کرنے کے اقدامات زیر غور آئے۔پاکستان میں 'یو این ڈی پی' کی نائب سربراہ وین نگوئن نے خواتین وکلا کے لیے پیغام میں کہا کہ یہ اجتماع صرف باتوں تک محدود نہ رہے بلکہ اسے عزم میں بدلنا چاہیئے۔یہ ناانصافی کے خلاف ہر جگہ آواز اٹھانے اور ہر اس خاتون کے ساتھ کھڑا ہونے کا عزم ہونا چاہیے جس کی آواز تا حال نہیں سنی گئی۔

خواتین وکلا کی معاونت

بلوچستان بار کونسل کے نائب چیئرمین راہب خان بلیدی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امسال اس کا بنیادی موضوع خواتین وکلا کو ابھرتے ہوئے خطرات اور ڈیجیٹل حقائق سے آگاہی دینا اور انہیں وکالت میں نئے مواقع کے لیے بہتر طور سے تیار کرنا ہے۔انہوں نے یورپی یونین اور 'یو این ڈی پی' کا شکریہ ادا کیا کہ وہ نظام انصاف کو خواتین کے لیے زیادہ محفوظ اور قابل رسائی بنانے میں مستقل تعاون کر رہے ہیں۔پاکستان میں یورپی یونین کے وفد کے سربراہ برائے تعاون جیروئن ولیمز نے 'فراہمی انصاف منصوبے' کے تحت حاصل کی گئی کامیابیوں پر بلوچستان بار کونسل اور 'یو این ڈی پی' کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ مصنوعی ذہانت (اے آئی) اور اطلاعاتی ٹیکنالوجی کے بے شمار فوائد ہیں۔تاہم یہ ٹیکنالوجی صنفی بنیاد پر تشدد جیسے مسائل اور خطرات بھی پیدا کرتی ہے۔انہی مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے خواتین وکلا کی معاونت کی جا رہی ہے تاکہ وہ ان مسائل سے نمٹ سکیں، انصاف تک رسائی کو بہتر بنائیں، نمائندگی میں اضافہ کریں اور طویل عرصہ سے اپنی راہ میں حائل رکاوٹوں کو عبور کر سکیں۔کانفرنس کے اختتام پر خواتین وکلا نے ایسے عملی نکات پر اتفاق کیا جن کا مقصد کام کی جگہوں کو محفوظ بنانا اور نظام انصاف کو اس قابل کرنا تھا کہ وہ مصنوعی ذہانت کے دور میں لاحق نئے مسائل سے موثر طور پر نمٹ سکے۔

(بشکریہ یو این خبر نامہ)

غیرت کے نام پر خاتون سمیت دو افراد قتل

دیر بالا خیبر پختونخوا کے ضلع دیر بالا میں غیرت کے نام پر خاتون اور ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔واقعہ دیر بالا کے علاقے سیاسن میں پیش آیا جہاں ظفر ولد مجید خان نے فائرنگ کر کے اورنگزیب ولد بہادر اور کشر بی بی زوجہ عبدالقیوم کو ہلاک کر دیا۔پولیس کے مطابق دونوں مقتولین کی لاشیں پوسٹ مارٹم کے لیے پاتراک ہسپتال منتقل کر دی گئی ہیں۔واقعے کے بعد ملزم موقع سے فرار ہو گیا ہے اور پولیس نے مقدمہ درج کرتے ہوئے اس کی تلاش کے لیے چھاپے مارنا شروع کر دیے ہیں۔

(معاذ جان)

صبر آخر کب تک

زاہدہ حنا

لوگ تھک گئے ہیں سوال کر کے اور انھیں اندازہ ہے کہ ان کو اپنے کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا

پاکستانی عوام اس وقت جن حالات سے گزر رہے ہیں، وہ انتہائی تکلیف دہ ہیں۔ ایک خاموشی ہے! ایک ایسی خاموشی جو ہار ماننے کی نہیں بلکہ مسلسل آزمائش، مسلسل نظرانداز ہونے اور بار بار دھوکا کھانے کے بعد پیدا ہونے والی تھکن کی علامت ہے۔ کوئی امید نظر نہیں آتی، ہر طرف مایوسی کی فضا ہے۔

لوگ تھک گئے ہیں سوال کر کے اور انھیں اندازہ ہے کہ ان کو اپنے کسی سوال کا جواب نہیں ملے گا۔ انھیں معلوم ہے کہ ان کی فریاد سننے والا کوئی نہیں ہے۔

مہینے کے آغاز میں یہ فکر ہوتی ہے کہ محدود تنخواہ میں اخراجات کس طرح پورے کیے جائیں۔ بجلی کا بل، گیس کا بل، پانی کا بل، بچوں کی فیس، دوا، کرایہ اور دیگر ضروریات زندگی کو باعزت طریقے سے کیسے ممکن بنایا جائے۔

بہت سی چیزیں اس لیے خاموشی سے فہرست سے کاٹ دی جاتی ہیں۔ ایک عام شہری بڑی مشکل سے زندگی بسر کر رہا ہے۔

ریاست اور شہری کے درمیان جو رشتہ کبھی وعدوں، دعوؤں اور اجتماعی خوابوں پر قائم تھا، اب مفاہمت اور مجبوری پر چل رہا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ بہت کچھ بدلنے والا نہیں، اس لیے وہ صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ حالات مزید خراب نہ ہوں۔

یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ قوم اب اس مقام پر آ چکی ہے جہاں بہتری کی امید بھی ایک ایسا خواب یا خواہش لگتی ہے جو پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انکار کی قوت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

جب ناانصافی روزمرہ کا معمول بن جائے تو انسان صرف مظلوم نہیں رہتا، وہ ایک خاموش شراکت دار بن جاتا ہے، ایسا شراکت دار جو جانتا ہے کہ یہ غلط ہے مگر اس کے پاس انکار کی طاقت نہیں بچی۔

محنت کش طبقہ جسے کبھی تبدیلی کی بنیاد سمجھا جاتا تھا، آج محض بقا کی جنگ میں الجھا ہوا ہے۔ فیکٹریوں، ورکشاپوں، دکانوں، دفاتر اور گھروں میں کام کرنے والے لوگ اب حقوق کی بات کم اور نوکری بچانے کی بات زیادہ کیا کرتے ہیں۔

یونینیں کمزور ہو چکی ہیں، اجتماعی آواز بکھر چکی ہے اور مزدور تنہا ہو گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے اسے صرف محنت کرنے والا انسان نہیں رہنے دیا بلکہ ہر وقت قابلِ استعمال اور کسی بھی لمحے قابلِ مسترد شے بنا دیا ہے۔ ریاست نے اس پورے عمل کو روکنے کے بجائے اکثر اوقات اس کی سہولت کاری کی ہے۔

درمیانہ طبقہ جو کسی زمانے میں سماجی توازن کی علامت سمجھا جاتا تھا، آج سب سے زیادہ خوفزدہ ہے۔ اس کے پاس کھونے کو بہت کچھ ہے مگر بچانے کی قوت نہیں۔ وہ ہر دن نیچے گرنے کے اندیشے میں جیتا ہے اور یہی اندیشہ اسے

تعلیم جو ہمیں آگے بڑھنے اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ دیتی تھی، اب ایک مہنگا کاروبار بن چکی ہے۔ نوجوان ڈگریاں ہاتھ میں لیے دربدر پھر رہے ہیں۔ جن کے پاس ہنر ہے وہ ملک چھوڑنے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور جن کے پاس وسائل نہیں وہ اندر ہی اندر ٹوٹ جاتے ہیں۔

خاموش رکھتا ہے۔

یہ طبقہ جانتا ہے کہ احتجاج کی قیمت فوری اور بھاری ہوتی ہے جب کہ خاموشی کی قیمت آہستہ آہستہ قسطوں میں ادا کی جاتی ہے۔

یہی سوچ اسے نظام کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے۔ یہی طبقہ اس پورے منظرنامے کی سب سے بڑی اخلاقی شکست ہے، کیونکہ یہ ظلم کو پہچانتا بھی ہے اور اس سے نظریں بھی چراتا ہے۔

خواتین کے لیے یہ تھکن دہری بلکہ تہری ہے۔ معاشی دباؤ، سماجی جبر اور ریاستی بے حسی کے درمیان وہ ایک نازک توازن قائم رکھنے کی کوشش میں ہیں۔

ایک طرف زندہ رہنے کی جدوجہد دوسری طرف عزت، آزادی اور خودداری کا سوال۔ عورتیں اب صرف مظلوم نہیں رہیں، وہ اس اجتماعی تھکن کی سب سے زیادہ شکار ہیں۔

وہ گھروں میں، دفاتر میں، فیکٹریوں میں اور اپنے اندر بہت سے دکھ لیے جی رہی ہیں۔ ان کے کندھوں پر صرف خاندان نہیں پورا سماج ٹکا ہوا ہے مگر ان کی آواز اب بھی سب سے کم سنی جاتی ہے۔

تعلیم جو ہمیں آگے بڑھنے اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ دیتی تھی، اب ایک مہنگا کاروبار بن چکی ہے۔ نوجوان ڈگریاں ہاتھ میں لیے در بدر پھر رہے ہیں۔ جن کے پاس ہنر ہے وہ ملک چھوڑنے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور جن کے پاس وسائل نہیں وہ اندر ہی اندر ٹوٹ جاتے ہیں۔

ترکِ وطن اب کسی خاص طبقے کا مسئلہ نہیں رہی، یہ ایک اجتماعی خواب بن چکی ہے۔ جو نہیں جا سکتے وہ یہ سوچ کر غمگین رہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی راستہ کوئی ذریعہ نہیں کہ اپنے اور اپنے خاندان کے حالات میں سدھار لا سکیں۔

ریاستی بیانیہ عوام کے حقوق اور ان کے مسائل کیا ہیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ ایک عام آدمی کی زندگی کس طرح بسر ہو رہی ہے، اس کا اندازہ ہماری حکومت اور سیاسی نمایندوں کو بالکل بھی نہیں۔ یہ ان کا مسئلہ ہی نہیں ہے۔

عام پاکستانی کی زندگی میں کوئی نہ کوئی سانحہ روزمرہ کا حصہ بن چکا ہے۔ میڈیا شور مچاتا ہے مگر اس شور میں ہمدردی کم اور تماشا زیادہ ہوتا ہے۔ عام انسان خاموشی سے دکھ درد جھیل رہا ہوتا ہے اور یہی خاموشی سب سے زیادہ چیختی ہے۔ یہ چیخ ہمیں سنائی نہیں دیتی کیونکہ ہم اس کے عادی ہو چکے ہیں۔

بائیں بازو کی سیاست جس سے کبھی نجات کی امید وابستہ تھی خود سوالوں کے گھیرے میں ہے۔ کیا وہ بدلتی ہوئی زمینی حقیقت کو سمجھ رہی ہے یا اب بھی پرانے نعروں کی پناہ میں ہے؟

جب عوام تھک جائیں تو نظریے کو بھی نئے الفاظ، نئی زبان اور نئی حکمتِ عملی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ نظریہ کتابوں میں زندہ رہتا ہے زندگی میں نہیں۔

اور اس سب کے باوجود ابھی کچھ ختم نہیں ہوا۔ تھکن ہے مگر امید بھی ہے ایک بہتر کل کی، اس صبح کی جس کا خواب ہم سب نے دیکھا ہے۔ ایک جذبہ ایک ضد کسی فوری انقلاب کی نہیں بلکہ زندہ رہنے کی۔

لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ ان کے دکھ درد بانٹتے ہیں، یہ چھوٹے چھوٹے عمل اس بات کی علامت ہیں کہ انسان ابھی مکمل طور پر شکستہ نہیں ہوا۔ یہی چھوٹے عمل کسی بڑے امکان کی بنیاد بن سکتے ہیں۔

شاید سب سے اہم سوال یہ نہیں کہ یہ ملک کب بدلے گا بلکہ یہ ہے کہ کیا ہم اس تھکن کو پہچاننے کی ہمت رکھتے ہیں؟ کیونکہ جب تھکن کو سمجھ لیا جائے تو اس کا علاج بھی سوچا جا سکتا ہے لیکن اگر ہم اسے صبر یا مجبوری کا نام دے کر نظرانداز کرتے رہے تو ایک دن یہ صبر خاموش قبر میں بدل جائے گا۔

پاکستان آج محض معاشی بحران کا شکار نہیں ہے بلکہ ہماری سوچ کا مسئلہ ہے اور اگر انسان کی سوچ بیدار ہو جائے تو تھکا ہوا سماج بھی دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے۔

(بشکریہ ایکسپریس نیوز)

کیا ہم ان متروک اور محصور پاکستانیوں کی داستان سنیں گے؟

ڈاکٹر رخشندہ پروین

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

میں کئی بار عہد کرتی ہوں کہ اب مزید نہیں روؤں گی۔ مگر پھر کوئی واقعہ، کوئی جملہ، کوئی محفل، یا کوئی خاموشی، میرے اندر کے زخموں کو تازہ کر دیتی ہے۔ میں پینتیس برس سے سماجی خدمت میں ہوں، اور پچھلے پندرہ برس سے ایک ہی تھکی ہوئی صدا بلند کر رہی ہوں:

’’ان محصور، متروک، اور بے وطن پاکستانیوں کی طرف دیکھو۔ جو 1971 کے بعد بھی پاکستان سے اپنی نسبت نہیں توڑ سکے، مگر پاکستان نے اُن سے نظریں پھیر لیں۔‘‘

مجھے کبھی طاقت کا زعم نہیں رہا، نہ میں کسی مراعات یافتہ حلقے سے تعلق رکھتی ہوں۔ اس لیے جب کچھ بظاہر اچھے لوگوں نے کہا کہ میں ’’خوشامد‘‘ لینے گئی تھی اور اپنی تعریفیں سن کر خوش ہوتی ہوں، تو لفظ خنجر بن کر دل میں اتر گئے۔ خوشامد؟ کس کی؟ میرے پاس کون سی کرسی ہے، کون سا منصب ہے؟ میرے پاس اگر کچھ ہے تو صرف زخموں کی وراثت، ایک بھولی ہوئی قوم کی داستان، اور قلم جس میں کبھی کبھی آنسو جذب ہو جاتے ہیں۔

یہ سب کچھ اسلام آباد ڈائیلاگ، پاکستان اکیڈمی آف لیٹرز میں ہوئی نشست کے تناظر میں ہے۔ یہ تقریب محض ایک رسمی محفل نہیں تھی؛ یہ میری زندگی کے پچاس سے زائد برسوں کی گواہی تھی۔ میں نے اپنی کتاب

The Abandoned Pakistanis: 1971 Betrayal and Statelessness A Personal Chronicle of Forgotten Genocide Selective Memory and the Fight for Recognition

کے حوالے سے یہ مکالمہ اس امید پر منظم کیا کہ شاید ایک بار، صرف ایک بار، ادب اور دانش کی دنیا اُن لوگوں کی طرف پلٹ کر دیکھے جنہیں تاریخ نے اندھیرے میں پھینک دیا۔

تقریب میں شاعر، صحافی، اساتذہ، سماجی کارکن، نوجوان، دانشور، محققین بہت پڑھے لکھے اور حساس لوگ موجود تھے۔ لیکن سچی مگر انتہائی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہر کوئی پوری طرح معاملے کی سنگینی اور اندوہناک حقیقت سے واقف نہیں تھا، یا شاید وہ ہو ہی نہیں سکتا یا ہونا ہی نہیں چاہتا۔ یہ خاموشی مجھے ہمیشہ تڑپاتی ہے۔ اور اس خاموشی سے زیادہ ملک توڑنے والوں سے اُنس اور محبت کا اظہار بے کل رکھتا ہے۔ مکتی باہنی یا جن کو غدار کہنا چاہیے وہ یہاں کی سول سوسائٹی کی آنکھ کا تارا ہیں۔ نہتے وطن پرست لوگوں پر ڈھائے گئے ستم کسی کو رنجیدہ نہیں کرتے۔ کسی کی آنکھ نم نہیں کرتے۔

بہر کیف یہ تو دہائیوں کی دہائی ہے۔ ایک مختصر دورانیے کی تقریب میں حل تو نہیں نکلنا تھا ہاں آگاہی، ہم دلی اور ہمدردی کی قلت کا اندازہ ضرور ہوا۔

پروفیسر منیر فیاض نے شاندار انداز میں نظامت کے فرائض سرانجام دیے اور گفتگو سمیٹتے ہوئے غالب کا یہ شعر پڑھا:

لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

یہ شعر میرے دل میں اتر گیا۔ دو راتیں میں سو نہ سکی۔ غالب مجھے ہمیشہ سے انسپائر بھی کرتے ہیں اور ہانٹ بھی کرتے ہیں۔ لیکن اُس دن اُن کا ہر لفظ میرے دل میں تیر بن کر اُترا۔ کیوں؟

کیونکہ ہم نے پاکستان کے لیے اپنے گھر لٹوائے، اپنی جانیں دی، اپنی عورتیں قربان کیں۔ اور آج تاریخ ہمیں بے نام کہتی ہے۔

16 دسمبر 1971 کے بعد کیا ہوا؟ مگر جسے کوئی نہیں جاننا چاہتا:

پاکستانی تاریخ کی سب سے بڑی خاموشی ’’پاکستانیوں ہی‘‘ پر ہونے والے ظلم کے بارے میں ہے۔ 16 دسمبر 1971 کے بعد بنگلہ دیش میں تقریباً تین لاکھ چوبیس ہزار اردو بولنے والے پاکستانی، جنہیں آسان لفظوں میں بہاری کہا جاتا ہے۔ اپنے ہی ملک کی شہریت سے محروم ہو گئے۔ آج بھی چودہ ٹاونز میں بشمول ڈھاکہ، ستر تنگ و تاریک کیمپوں میں، چار چار یا چھے چھے فٹ کے ڈربوں میں نسلیں پل رہی ہیں۔

نہ شہریت۔ نہ شناخت۔ نہ تحفظ۔ نہ عزتِ نفس۔

ان میں سے بہت سے پاکستان کی محبت میں بنگالی قوم پرستوں یا ملک توڑنے والے مسلمان بنگالی مکتی باہنی کے خلاف دفاع میں شریک ہوئے۔ کچھ شعوری طور پر، کچھ لاشعوری طور پر، کچھ محض خوف یا بقا کی جبلّت میں۔ مگر 54 سال بعد بھی ان کا ’’جرم عشقِ پاکستان‘‘ معاف نہیں ہوا۔

اور پاکستان میں؟

درد یہ ہے کہ پاکستان میں بھی کوئی نہیں بولتا۔

سماجی کارکن؟ خاموش۔

حقوقِ انسان کی علمبردار خواتین و حضرات؟ خاموش۔

عاصمہ جہانگیر کے بعد سے لے کر آج تک؟ صرف سناٹا ہے۔ آج تک کوئی ایک نمایاں ایکٹوسٹ اس مسئلے پر نہ بول سکی، نہ لکھ سکی، نہ کھڑی ہوئی۔

صحافت؟ بڑے بڑے ناموں میں سے کسی نے کبھی ہمارے قتلِ عام، ہماری بے وطنی، ہماری عورتوں کی اجتماعی بے حرمتی پر ایک سطر لکھنا گوارا نہیں کیا۔

جامعات؟ تاریخ، سیاسیات، بین الاقوامی تعلقات، جینڈر اسٹڈیز۔ کسی نصاب میں ہماری کہانی نہیں۔

خارجہ پالیسی؟ ہماری بحث میں جگہ نہیں۔

ریاستی اعزازات؟ ہمارا نام تک نہیں۔

حالیہ مہینوں میں بنگلہ دیش میں سیاسی تبدیلی آئی ہے، اور کچھ لوگ اسے ’’دوسری لبریشن‘‘ کہہ رہے ہیں۔ میں نے خود اسلام آباد میں ایک نشست میں ایک مہمان صحافی سے یہ الفاظ سنے۔ لیکن اس ’’دوسری آزادی‘‘ کا جملہ بہت چالاکی سے 16 دسمبر 1971 کو ’’پہلی لبریشن‘‘ کہہ دیا گیا۔ ہم پاکستانی۔ مہمان نوازی اور سفارت کاری میں۔ خاموش بیٹھے رہے۔ کسی نے اعتراض کیا؟ نہیں۔ کوئی کھڑا ہوا؟ ہرگز نہیں۔ ہم میں کیسی بے حسی ہے؟

میں اکثر سوچتی ہوں: کیا ہم واقعی سپائن لیس ہیں۔ یا بہت تھکے ہوئے؟

میری کتاب۔ میرا دل، میری تاریخ، میری شناخت

میری کتاب میرے دل کا بوجھ ہے۔ یہ میرے والد، مرحوم پروفیسر نظیر صدیقی کے نام ہے۔ یہ اُن شہیدوں، اُن عورتوں، اُن بچوں، اور اُن خاندانوں کے نام ہے جنہوں نے پاکستان کے لیے سب کچھ وار دیا۔ اور پھر پاکستان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے اسے اس لیے لکھا کہ ہماری داستان ریکارڈ میں رہے۔ چاہے قبول ہو یا نہ ہو۔ میں چاہتی ہوں کوئی مستقبل کا محقق، کوئی طالبِ علم، کوئی شاعر، کوئی ناول نگار۔ کم از کم ایک دفعہ رک کر سوچے: ہم نے کس کو بھلا دیا؟ اور کیوں؟

اب بھی وقت ہے۔ خاموشی توڑیں

یہ بلاگ گلہ نہیں۔ یہ فریاد نہیں۔ یہ کسی سے جنگ نہیں۔ یہ صرف یادداشت کی بازیافت ہے۔ یہ ان سچائیوں کی طرف اشارہ ہے جنہیں ہم نے شعوری طور پر مٹا دیا ہے۔ ہماری قوموں کی شفا تب ہی ممکن ہے جب ہم یاد رکھیں، مانیں، اور سچ بولیں۔

اگر کوئی پوچھے، ’’آخر آپ پھر کیوں رو رہی ہیں؟‘‘

تو میرا جواب آج بھی وہی ہے:

کیونکہ میں اُن پاکستانیوں کی بیٹی ہوں جنہیں پاکستان نے بھلا دیا۔ اور جب تک اُن کی نسلیں چار فٹ کے گھروں میں سانسیں گن رہی ہیں۔ میں کیسے نہ روؤں؟

(بشکریہ ہم سب)

گلگت بلتستان میں ناقص اشیائے خوردونوش: خاموش قاتل اور اجتماعی غفلت

اسرارالدین اسرار

گلگت بلتستان صاف فضا اور قدرتی حسن سے مالا مال خطہ ہے، مگر بدقسمتی سے یہاں انسانی صحت کے لیے ایک ایسا خاموش خطرہ تیزی سے پھیل رہا ہے جس پر نہ حکومت سنجیدہ ہے اور نہ ہی متعلقہ ادارے۔ بازاروں، دکانوں اور حتیٰ کہ اسکولوں کے باہر فروخت ہونے والی ناقص، مضرِ صحت اور زائدالمیعاد اشیائے خوردونوش نے عوام الناس، بالخصوص بچوں اور خواتین کی صحت کو شدید خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔

ملک کے دیگر حصوں سے بیمار بھینسیں، مرغیاں، انڈے، ناقص آٹا، اور دیگر بے شمار انواع و اقسام کی اشیائے خوردونوش کی مارکیٹ گلگت بلتستان ہے۔ گذشتہ دنوں پنجاب سے لائی گئی بیمار بھینسوں کی ایک کھیپ کسی شہری شکایت پر دیامر کے مقام پر پکڑی گئی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسلہ اب سنگین ہوتا جا رہا ہے۔

ناقص اشیائے خوردونوش کے مسلسل استعمال کے باعث گلگت بلتستان میں معدے، آنتوں، جگر اور گردوں کے امراض میں تشویشناک اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔ فوڈ پوائزننگ، اسہال، ہیپاٹائٹس، شوگر اور کینسر جیسے موذی امراض کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ متاثر طبقہ بچے ہیں جو اسکولوں کے باہر کھلے عام فروخت ہونے والی غیر معیاری ٹافیاں، چپس، کولڈ ڈرنکس اور دیگر مصنوعی اشیا استعمال کرتے ہیں۔ یہ اشیا نہ صرف ان کی جسمانی نشوونما کو متاثر کرتی ہیں بلکہ ذہنی صلاحیتوں پر بھی منفی اثر ڈالتی ہیں۔

اس تشویشناک صورتحال کی بنیادی وجہ مؤثر نگرانی اور متعلقہ قوانین پر عمل درآمد کا فقدان ہے۔ فوڈ اتھارٹی کا کردار یا تو نہ ہونے کے برابر ہے یا محض کاغذی کارروائی تک محدود ہے۔ چیک اینڈ بیلنس کا کوئی واضح نظام موجود نہیں، جس کے باعث غیر معیاری اشیا بلا روک ٹوک بازاروں میں پہنچ جاتی ہیں۔

دوسری بڑی وجہ عوامی آگاہی کا فقدان ہے۔ صارفین اکثر و بیشتر قیمت کو معیار پر ترجیح دیتے ہیں اور لیبل، تاریخِ تنسیخ یا اجزا کی تفصیل دیکھے بغیر اشیا خرید لیتے ہیں۔ دور دراز علاقوں میں ناقص اور سمگل شدہ اشیا آسانی سے کھپائی جاتی ہیں کیونکہ وہاں متبادل معیاری مصنوعات دستیاب ہی نہیں ہوتیں۔

مزید برآں، منافع کی اندھی دوڑ میں کچھ تاجر انسانی صحت کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ناقص اشیا سستے داموں فروخت کر کے زیادہ منافع کمانا ایک معمول بن چکا ہے، جبکہ قانون کا خوف نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ صحت جیسے حساس معاملے پر متعلقہ محکمے خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ نہ باقاعدہ انسپکشن ہوتی ہے، نہ لیبارٹری ٹیسٹ، اور نہ ہی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف سخت کارروائی۔ نتیجتاً قانون شکنی کرنے والے مزید بے خوف ہو چکے ہیں۔

اس سنگین مسئلے سے نمٹنے کے لیے فوری اور ٹھوس اقدامات ناگزیر ہیں۔ سب سے پہلے گلگت بلتستان فوڈ اتھارٹی کو فعال، بااختیار اور جوابدہ بنایا جائے۔ تمام اضلاع میں باقاعدہ معائنہ ٹیمیں تشکیل دی جائیں جو مارکیٹوں، گوداموں اور سرحدی داخلی راستوں پر اشیائے خوردونوش کی جانچ کریں۔

ناقص اور زائدالمیعاد اشیا فروخت کرنے والوں کے خلاف بھاری جرمانے، دکانوں کی سیلنگ اور قانونی کارروائی کو یقینی بنایا جائے۔ اسکولوں کے باہر غیر معیاری اشیا کی فروخت پر مکمل پابندی عائد کی جائے۔

عوامی آگاہی مہم بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ میڈیا، مساجد، تعلیمی اداروں اور سوشل پلیٹ فارمز کے ذریعے شہریوں کو معیاری خوراک کی اہمیت، لیبل پڑھنے اور مضرِ صحت اشیا کی نشاندہی کے بارے میں آگاہ کیا جائے۔

آخر میں، شہریوں کو بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا ہوگا۔ اگر ہم خود سستی اور ناقص اشیا خریدنے سے انکار کر دیں تو بازار میں ان کی کھپت خود بخود کم ہو جائے گی۔

ناقص اشیائے خوردونوش محض ایک انتظامی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سنگین انسانی اور سماجی بحران ہے۔ اگر آج اس خاموش قاتل کے خلاف مؤثر اقدامات نہ کیے گئے تو آنے والی نسلیں اس کی بھاری قیمت ادا کریں گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت، ادارے اور عوام مل کر صحت کے اس مشترکہ دشمن کے خلاف متحد ہوں، تاکہ گلگت بلتستان کے باسی ایک صحت مند اور محفوظ زندگی گزار سکیں۔

واضح رہے کہ خالص اور محفوظ خوراک بنیادی انسانی حقوق میں شامل ہے بین الاقوامی انسانی حقوق کے معیارات کے مطابق خوراک تک رسائی حقِ زندگی اور حقِ صحت کا لازمی جزو ہے۔ عالمی منشورِ انسانی حقوق کے آرٹیکل 25 اور بین الاقوامی معاہدہ برائے معاشی، سماجی و ثقافتی حقوق کے آرٹیکل 11 میں ہر انسان کے لئے مناسب، محفوظ اور غذائیت سے بھرپور خوراک کو تسلیم کیا گیا ہے، جو باوقار زندگی کے لیے ضروری ہے۔ اقوامِ متحدہ کے مطابق ریاستوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شہریوں کو ایسی خوراک فراہم کرنے کے لیے مؤثر قوانین، نگرانی اور حفاظتی اقدامات کریں جو صحت کے لیے مضر نہ ہو۔ ناقص اور آلودہ خوراک کی فراہمی نہ صرف انسانی صحت کے لیے خطرہ ہے بلکہ یہ بین الاقوامی انسانی حقوق کی صریح خلاف ورزی بھی شمار ہوتی ہے۔ (بشکریہ پامیر ٹائمز)

جہدِ حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔ جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدِ حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتہ تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہدِ حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے

ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر انسانی حقوق کے تحفظ پر زور

حقوق سے مراد سماجی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر انسان اپنے ذاتی کمال تک نہیں پہنچ سکتا

تربت 10 دسمبر 2025 کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے سلسلے میں ایچ آر سی پی کے ریجنل آفس تربت مکران کے زیر اہتمام ایک پروگرام منعقد ہوا جس میں انسانی حقوق کے کارکنان اور صحافیوں کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ سنیہ کریم نے نظامت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے پروگرام کا تعارف کیا۔

تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ایچ آر سی پی تربت مکران کے ریجنل کوآرڈینیٹر پروفیسر غنی پرواز نے انسانی حقوق کے عالمی دن کی تاریخ، پس منظر اور شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ بقول مشہور انگریز دانشور لاسکی کے۔

"حقوق سے مراد سماجی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر انسان اپنے ذاتی کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔"

اسکی مختصر وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ انسانی حقوق دراصل ایسی سہولتیں ہیں جو اگر لوگوں کو مل جائیں تو وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق ترقی کر سکتے ہیں اور اگر نہ ملے تو وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق ترقی نہیں کر سکتے۔ انسانی حقوق کے ارتقاء پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ مختلف ادوار سے ہوتے ہوئے آج ہمارے سامنے انسانی حقوق کے عالمی منشور کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔

منشور کل 30 دفعات پر مشتمل ہے جس میں تمام طبقات کے مشترکہ بنیادی انسانی حقوق شامل ہیں اور جس پر تمام ممبر ممالک نے دستخط کر کے منظوری دی ہے اور پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ منشور تمام ممبر ممالک کے دساتیر میں شامل کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ تمام ممبر ممالک کے تعلیمی نصاب میں بھی شامل کیا جائے۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور میں شامل بنیادی انسانی حقوق میں زندگی، تعلیم، صحت، روزگار، اظہار رائے، مساوات، مذہب، عقیدہ، حق راہدہی، نمائندگی، حق نقل و حمل، حق انجمن اور جماعت سازی نیز اپنے حقوق اور مطالبات منوانے کے لیے پرامن، ہڑتال، مظاہرہ جلسہ و جلوس سمیت کئی حقوق شامل ہیں۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ تمام ممبر ممالک انسانی حقوق کے اس عالمی منشور کی پاسداری کرتے ہوئے تمام شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق فراہم کرتے لیکن عملاً ایسا نہیں ہے۔ عالمی سطح پر اگر صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو دیکھنے میں آتا ہے کہ امریکہ دنیا بھر میں جنگیں چھیڑ کر اسلحہ بیچتا ہے اور اسرائیل کی پشت پناہی کرتے ہوئے فلسطین، لبنان، شام سمیت کئی ممالک کے عوام کے حقوق کی خلاف ورزیاں کر رہا ہے۔

چین، سنکیانگ , تائیوان، اور بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث ہے اور روس یوکرین میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں ملوث ہے جبکہ پاکستان کی صورتحال ناگفتہ بہ ہے۔

بلوچستان میں بلوچوں اور شیعہ ہزارہ کمیونٹی کے انسانی حقوق محفوظ نہیں خصوصاً بلوچستان میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کو اغوا کر کے جبری طور پر لاپتہ کیا جاتا ہے۔ جیلوں میں بند کیا جاتا ہے اور ماورائے عدالت قتل کر کے لاشیں پھینکی جاتی ہیں۔ سندھ میں ہندوؤں کے حقوق محفوظ نہیں خصوصاً کنواری لڑکیوں کو جبری طور پر مسلمان کر کے ان سے شادیاں رچائی جاتی ہیں، پنجاب میں احمدیوں اور مسیحوں کے حقوق محفوظ نہیں۔ احمدیوں کو 1973 میں غیر مسلم قرار دیا گیا تھا اور آج کل انہیں اپنے عقائد کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل نہیں اور مسیحوں کے مال و جائیداد پر قبضہ کرنے کی خاطر ان پر توہین رسالت کا الزام لگا کر انہیں جیلوں میں بند کروایا جاتا ہے یا قتل کروایا جاتا ہے۔

ایچ آر سی پی کے کارکن خان محمد جان گچکی نے کہا کہ شہریوں کو مسلسل خوف کے ماحول میں زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ صوبے میں لوگوں کو روزمرہ زندگی کے بنیادی احساسِ تحفظ تک سے محروم کیا جا رہا ہے۔

تقریب سے صحافی الطاف بلوچ، سماجی کارکن ماسٹر عبدالغنی مندی، محمد کریم گچکی اور ڈاکٹر سمی پرواز نے بھی خطاب کیا۔ مقررین نے پاکستان خصوصاً بلوچستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ متعدد افراد زیرِ حراست ہیں جن کے بارے میں ان کے اہلِ خانہ کو معلومات تک میسر نہیں، انہوں نے کہا کہ کمزور طبقات، بچوں اور خواتین کو بھی ان کے بنیادی حقوق کی فراہمی ایک مسلسل چیلنج ہے۔

تقریب کے پہلے حصے کے آخر میں قرار درج ذیل دادیں پیش کی گئیں جنہیں اتفاق رائے سے منظور کر لیا گیا۔

1۔ ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ، صبغت اللہ شاہ جی، بیگر بلوچ، گل زادی اور بیبو بلوچ کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔

2۔ واحد کمبر، ڈاکٹر دین محمد، ذاکر مجید، رفیق اومان، وہاب نور، حمل داد کریم، زرینہ مری، علی اصغر بنگلزئی، شہزاد مراد، فاروق کلمتی، ابراہیم کلمتی، نواز علی بخش، سعید نزیر احمد اور دیگر لاپتا افراد کو فوری طور پر بازیاب اور رہا کیا جائے۔

3۔ تنخواہوں میں اضافہ کیے بغیر اشیاء و خورد نوشت کی قیمتوں میں اضافہ ختم کیا جائے۔

5۔ پی ٹی آئی سمیت تمام حزبِ اختلاف کے خلاف کریک ڈاؤن ختم کیا جائے۔

6۔ گزشتہ دنوں ہوشاب میں گھروں پر مارٹر گولا پھینکنے اور بالگتر میں ایک گھر پر فائرنگ کے واقعات قابل مذمت ہیں جن کے سبب ہوشاب میں یاسمین ناصر جان حق ہوئیں، جبکہ بالگتر میں دردانہ نزیر کو گولی ماردی گئی۔ مطالبہ کیا گیا کہ ان واقعات کی شفاف تحقیقات کر کے ذمہ داران کو قرار واقعی سزائیں دی جائیں۔

7۔ کیچ کے عارضی اساتذہ کی بھرتیوں میں میرٹ کی پامالی ہوئی ہے۔ شفاف تحقیقات کر کے اصل حق داروں کو انصاف فراہم کیا جائے۔

8۔ ہسپتال روڈ آئے روز گھنٹوں تک بند رہتا ہے۔ ضلع انتظامیہ ایسی پالیسی بنائے جس کی بدولت مریضوں اور عام شہریوں کی مشکلات میں کمی آسکے۔

پروگرام کے دوسرے حصے میں دفتر کے سامنے مختلف نعروں سے مزین بینر اور پلے کارڈز کے ساتھ ایک مظاہرہ کیا گیا جس کے اختتام پر ساتھی منور علی رٹہ نے انسانی حقوق سے متعلق ایک خوبصورت بلوچی نظم پیش کی۔

(ایچ آر سی پی ریجنل آفس تربت مکران)

پشاور کی سڑکوں پر روایت اور خوف کو چیلنج کرتی خواتین

ملائکہ ارباب

اسلام آباد کی ایک سڑک پر دو خواتین موٹر سائیکل پر سوار ہیں

پاکستانی معاشرے میں خواتین کے اسکوٹر پر سفر کیلئے غیر تحریری مگر سخت سماجی اصول موجود ہیں، جن کے تحت عورت خود ہینڈل نہیں پکڑ سکتی اور اگر وہ پیچھے بیٹھی ہو تو اسے ایک مخصوص انداز میں بیٹھنا ہوتا ہے، اس سے ہٹ کر کوئی بھی طرزِ نشست بے حیائی سمجھا جاتا ہے۔

جب سوشل میڈیا انفلوئنسر صبا نے پہلی بار پشاور کی سڑکوں پر اسکوٹر چلانا شروع کی تو یہ منظر دیکھتے ہی لوگوں کا ردعمل فوراً سامنے آ گیا۔ وہ بتاتی ہیں کہ شہر میں لوگ انہیں حیرت سے گھورتے رہے، جیسے کسی عورت کا اکیلے دو پہیوں والی سواری چلانا ایک غیر معمولی بات ہو۔ تاہم یہ توجہ ان کے حوصلے کو کم نہ کر سکی اور وہ نظریں سڑک پر جمائے آگے بڑھتی رہیں۔

صبا کے مطابق خاندان کی حمایت نے انہیں یہ اعتماد دیا کہ وہ لوگوں کے ردعمل کو نظرانداز کریں اور اپنے راستے پر توجہ رکھیں۔

پاکستان کی سڑکوں پر موٹر سائیکلیں گاڑیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ گیلپ پاکستان ڈیجیٹل اینالیٹکس پلیٹ فارم اور پاکستان آٹوموٹیو مینوفیکچررز ایسوسی ایشن کے اعداد و شمار کے مطابق 2007 سے مارچ 2025 تک 2 کروڑ 4 لاکھ سے زائد موٹر سائیکلیں فروخت ہوئیں جبکہ اسی عرصے میں صرف 26 لاکھ گاڑیاں فروخت ہو سکیں۔ پاکستان اس وقت دنیا کی نویں بڑی ٹو وہیلر مارکیٹ بن چکا ہے اور 2025 میں عالمی سطح پر تیز ترین ترقی کرنے والی مارکیٹس میں شامل رہا۔

اس کے باوجود خواتین کو اسکوٹر یا موٹر سائیکل چلاتے دیکھنا اب بھی نہایت کم ہے، خاص طور پر پشاور جیسے شہروں میں جنہیں قدامت پسند سمجھا جاتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں خواتین کے اسکوٹر پر سفر کے لیے غیر تحریری مگر سخت سماجی اصول موجود ہیں، جن کے تحت عورت خود ہینڈل نہیں پکڑ سکتی اور اگر وہ پیچھے بیٹھی ہو تو اسے ایک مخصوص انداز میں بیٹھنا ہوتا ہے۔ اس سے ہٹ کر کوئی بھی طرزِ نشست بے حیائی سمجھا جاتا ہے۔

منظرنامہ بدل رہا ہے

صبا جیسی خواتین جو ان روایات سے بے نیاز ہو کر سڑکوں پر نکل رہی ہیں، پشاور کے منظرنامے کو آہستہ آہستہ بدل رہی ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ شہر خواتین کے لیے اب پہلے سے زیادہ محفوظ اور قابلِ قبول ہوتا جا رہا ہے۔

ان کے بقول ان کے فیصلے نے دیگر خواتین کو بھی حوصلہ دیا ہے اور پشاور میں اسکوٹر چلانا بے حیائی نہیں بلکہ حدود میں رہتے ہوئے ایک محفوظ عمل ہے۔

سرکاری اعداد و شمار اس تبدیلی کی سست رفتاری کی عکاسی کرتے ہیں۔ پاکستان ڈیجیٹل مردم شماری 2023 کے مطابق پشاور کی 47 لاکھ آبادی میں خواتین کی تعداد 23 لاکھ سے زائد ہے، مگر ٹریفک پولیس کے مطابق 2025 میں شہر میں صرف 1931 خواتین کے پاس ڈرائیونگ لائسنس موجود ہیں۔

یوں پشاور کی سڑکوں پر اسکوٹر چلانے والی ہر خاتون محض ایک مسافر نہیں بلکہ ایک خاموش انقلاب کی علامت بن جاتی ہے۔

تحقیقی مطالعات کے مطابق خواتین کے لیے ذاتی سواری اختیار کرنا خودمختاری کی علامت ہے اور یہ صنفی حدود کو چیلنج کرتی ہے۔ شہری ٹرانسپورٹ پر ہراسانی اور عدم تحفظ خواتین کی نقل و حرکت کو محدود کرتا ہے، جس کے باعث ذاتی سواری ایک بہتر متبادل بن جاتی ہے۔

صبا کا کہنا تھا کہ لوگ اکثر پشاور کو ایک مخصوص طرز کا شہر قرار دیتے ہیں، مگر میرا مقصد یہ شعور اجاگر کرنا ہے کہ پشاور کی خواتین بھی دیگر شہروں کی خواتین کی طرح باصلاحیت ہیں۔ اسی لیے میں نے پہلا قدم اٹھایا اور اسکوٹی چلانا شروع کی۔

ان کے مطابق میرے پاس کار اور ڈرائیونگ لائسنس موجود ہے، مگر اسکوٹی چلانا بہت آسان ہے۔ میں بغیر کسی مشکل کے میٹنگز میں جا سکتی ہوں اور روزمرہ کے کام نمٹا سکتی ہوں۔

خودمختاری

جامعہ پشاور کے شعبہ عمرانیات کے لیکچرار ڈاکٹر ظفر خان کے مطابق خواتین کو اسکوٹر یا موٹر سائیکل چلاتے دیکھنا نہ صرف سماجی تبدیلی بلکہ بااختیاری کی علامت بھی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ ایک وقت تھا جب خواتین کا گاڑی چلانا بھی قابلِ قبول نہیں تھا، مگر اب تبدیلی آ رہی ہے۔ ذاتی سواری خواتین کو روزمرہ کے امور میں خودمختاری فراہم کرتی ہے اور مردوں پر انحصار کم کرتی ہے، خواہ وہ بچوں کو اسکول چھوڑنا ہو، یونیورسٹی جانا ہو یا دیگر ضروری کام۔

لاہور میں خواتین اسکوٹر پر جا رہی ہیں۔ فوٹو: وائٹ اسٹار

ان کے مطابق اس سے خواتین کے لیے معاشی مواقع بھی بہتر ہوتے ہیں اور محفوظ ماحول فراہم کر کے انہیں عوامی ٹرانسپورٹ پر ہراسانی سے بچایا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر خان نے مزید کہا کہ نقل و حرکت کے معاشی اثرات بھی ہیں۔ اگر خواتین کام کر رہی ہوں تو ان کا سفر آسان ہو جاتا ہے۔ یونیورسٹی میں میں کئی خواتین کو موٹر سائیکل اور اسکوٹی چلاتے دیکھتا ہوں، اور جب میں نے پہلی بار ایک لڑکی کو موٹر سائیکل پر دیکھا تو میرے ذہن میں یہی خیال آیا کہ تبدیلی آ رہی ہے۔

انہوں نے زور دیا کہ معاشرے اور حکومت دونوں کی حمایت ضروری ہے۔ ان کے مطابق اگر معاشرہ اور حکومت ایسی سرگرمیوں میں خواتین کی حمایت کریں تو یہ دوسروں پر انحصار کم کر سکتا ہے اور پبلک ٹرانسپورٹ میں ہراسانی سے بچا سکتا ہے۔ محفوظ ماحول فراہم کرنے سے خواتین سماجی اور معاشی طور پر زیادہ بااختیار ہو سکتی ہیں۔

خاندانی حمایت کا کردار

پشاور کے شہریوں نے بھی خواتین سواروں کے لیے سہولت فراہم کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ طاہر نعیم جو

کراچی میں 19 اگست 2024 کو بائیکیا کے ساتھ پارسل پہنچانے کے لیے روانہ ہونے والی موٹر سائیکل سوار آمنہ سہیل

پشاور کے رہائشی ہیں مگر اب اسلام آباد میں رہتے ہیں اور ہر ہفتے شہر آتے ہیں، کا کہنا تھا کہ خواتین کو محفوظ جگہیں ملنی چاہئیں۔ متبادل سفری ذرائع ایک اچھا موقع ہیں۔ یہ خودمختاری دیتے ہیں، دوسروں پر انحصار کم کرتے ہیں اور کم خرچ ہوتے ہیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ خاندانی حمایت ان تبدیلیوں کے لیے نہایت اہم ہے۔اس کی مثال جامعہ پشاور کی طالبہ ہما کا تجربہ ہے۔انہوں نے بچپن میں سائیکل چلانے سے 2020 میں موٹر سائیکل چلانے تک کا سفر طے کیا، جس میں ان کے والد نے حوصلہ افزائی کی۔ان کے مطابق اگر خاندان آپ کے ساتھ ہو تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مشترکہ خاندان میں پرورش پانے والی ہما کے والد نے اس بات کو یقینی بنایا کہ کوئی ان کے فیصلے میں مداخلت نہ کرے۔ ان کی حمایت نے ہما کو خودمختاری کی راہ اپنانے کی آزادی دی۔ ان کے مطابق لوگ مجھے موٹر سائیکل چلانے پر سراہتے ہیں اور یہ میرے اعتماد میں اضافہ کرتا ہے۔میں رات کے وقت بھی خود کو محفوظ محسوس کرتی ہوں۔ مجھے کبھی منفی ردِعمل کا سامنا نہیں کرنا پڑا، البتہ پہلی بار دیکھنے پر لوگ چونک جاتے ہیں۔

ان کا کہنا تھا کہ موٹر سائیکل چلانے سے میری زندگی بہت آسان ہوگئی ہے۔میں خودمختار ہوں اور کسی پر انحصار کیے بغیر کہیں بھی جاسکتی ہوں۔ ہما نے دیگر نوجوان خواتین کے لیے پیغام بھی دیا کہ موٹر سائیکل چلانا میرے لیے گیم چینجر ثابت ہوا ہے۔یہ خودمختاری اور آزادی کے بارے میں ہے۔ بہت سی لڑکیاں صرف اس ڈر سے رک جاتی ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔

تبدیلی میں وقت لگے گا

پشاور میں مقیم صحافی جمائمہ آفریدی نے ڈان کو بتایا کہ وہ اس علاقے سے تعلق رکھنے اور یہاں کام کرنے کے باعث خواتین کو درپیش مشکلات کو سمجھتی ہیں۔ان کے مطابق جب کوئی چیز معاشرے میں غیر مانوس ہو تو اس کا سامنا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ یہ تب ہی معمول بنے گا جب ایسی خواتین آگے آئیں اور نقل وحرکت کے بنیادی حق پر عمل کریں۔ وقت کے ساتھ لوگ عادی ہو جائیں گے۔انہوں نے اپنے ذاتی تجربے کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے اپنے گاؤں میں ایک سائیکل ریلی کا اہتمام کیا تھا۔اس پر کافی تنقید ہوئی، مگر اس سے لوگوں کو یہ احساس بھی ہوا کہ خواتین کو سائیکل چلانے کا حق ہونا چاہیے۔

جمائمہ آفریدی نے کہا کہ خواتین کے سائیکل یا موٹر سائیکل چلانے پر عوامی بحث شروع کرنا ان کے لیے ایک مثبت قدم ہے۔ان کے مطابق ابتدائی طور پر یہ قدم اٹھانے والی خواتین کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔گھورنا، تنقید، اور یہ دعوے کہ وہ ثقافت کو خراب کر رہی ہیں۔مگر وقت کے ساتھ بہتری آئے گی۔اصل بات یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ خواتین اس کو اپنائیں تاکہ ان کی موجودگی نظر آئے اور یہ معمول بن جائے۔

خاموش انقلاب

پشاور میں اسکوٹی چلانے والی خواتین کی تعداد شاید اب بھی کم ہو مگر ان کی موجودگی ایک بڑے پیغام کی عکاس ہے، ایک ایسی تبدیلی جس کے ذریعے خواتین ایک ایسے شہر میں اپنی جگہ بنا رہی ہیں جو آہستہ آہستہ ان کے لیے جگہ پیدا کرنا سیکھ رہا ہے۔

صبا نے ایک گہری سانس کے ساتھ کہا کہ میرا پشاور بہت خوبصورت ہے، اور یہ لڑکیوں کے لیے بہتر ہوتا جا رہا ہے۔

اس رپورٹ میں پشاور سے محمد اشفاق نے تعاون کیا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ڈان)

خوشاب میں ایک احمدی مبشر احمد ورک پر قاتلانہ حملہ کے ملزم تا حال گرفتار نہیں ہو سکے

چناب نگر خوشاب میں معروف احمدی مبشر احمد ورک پر قاتلانہ حملے کے ملزم تا حال گرفتار نہیں ہو سکے۔تفصیلات کے مطابق 29 دسمبر 2025ء کو ایک احمدی مبشر احمد ورک شام پونے چھ بجے کے قریب اپنے فارم ہاؤس سے موٹر سائیکل پر واپس آ رہے تھے کہ نامعلوم فرد نے ان پر فائر کر دیا جو ان کے پیٹ سے آر پار ہو گیا۔موصوف کو فوری طور پر DHQ ہسپتال منتقل کیا گیا جہاں ان کا آپریشن کیا گیا اور بعد ازاں ایک پرائیویٹ ہسپتال میں وینٹیلیٹر پر منتقل کیا گیا۔ان کی عمر 55 سال ہے۔مبشر احمد ورک کا تعلق ایک شریف النفس خاندان سے ہے، جن کی کسی سے کوئی ذاتی دشمنی یا لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔

جماعت احمدیہ پاکستان کے ترجمان عامر محمود نے مبشر احمد ورک پر قاتلانہ حملہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ خوشاب میں ایک عرصہ سے احمدیوں کی مخالفت جاری ہے۔بالخصوص جوہر آباد خوشاب میں مبشر احمد ورک کے خاندانی گھر کا بھی انتہا پسند عناصر نے گھیراؤ کر لیا تھا، جس کی ویڈیوز بھی وائرل ہوئی تھیں۔نیز ان کے خاندانی کاروبار "ورک کریانہ سٹور" کے بائیکاٹ کی مہم بھی چلائی جاتی رہی ہے۔اسی طرح مئی 2025 میں روڈہ ضلع خوشاب میں 90 احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ترجمان نے مطالبہ کیا کہ احمدیوں کے خلاف نفرت پر مبنی بائیکاٹ اور پر تشدد اقدامات کی مہم چلانے والوں کے خلاف فوری اور موثر کارروائی کرتے ہوئے مبشر احمد ورک پر جان لیوا حملہ کرنے والوں کو فوری گرفتار کیا جائے اور منصفانہ اور شفاف تحقیقات کر کے اس واقعہ کے محرک اور سہولت کاروں کو بھی قانون کے کٹہرے میں لا کر قرار واقعی سزا دی جائے۔

(عامر محمود)

حرف آغاز: جمہور کی جمہوریہ

امتیاز عالم

اب پھر ایک اور جمہوری محاذ (تحریک تحفظ آئین پاکستان) کو بڑھاوا دینے کے لیے آج اس قومی کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہے

یہ مسلسل اور طویل آمریتوں کے خلاف جمہوری مزاحمت کی تاریخ اور جمہوری آدرشوں سے بے وفائی کی روایت بھی طویل ہے۔ نتیجتاً آمرانہ نظام سے نجات نہ مل پائی اور جمہوری مسئلہ مستقلاً اٹکا ہوا ہے۔ اب پھر ایک اور جمہوری محاذ (تحریک تحفظ آئین پاکستان) کو بڑھاوا دینے کے لیے آج اس قومی کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہے جو خوش آئند ہے۔ لیکن اس وسوسے کا کیا کیجیے کہ آئندہ نسلوں کے مقدر میں ایک اور لہو میں لتھڑی ہوئی شام نہ ہو؟ ماضی کے تلخ تجربات کا تقاضا ہے کہ ایک بار آور جدوجہد کے لیے ایک مستقل جمہوری و عوامی ایجنڈا دیا جائے جو جمہور کی جمہوریہ کو یقینی بنائے اور جس کی حمایت میں ٹھوس عوام بنیاد تشکیل کرتے ہوئے جمہوری قیادت سے درج ذیل پروگرام پر تائید اور عوامی حمایت حاصل کی جائے۔

مجوزہ پروگرام

جمہوری و عوامی اور معاشی سوشل کنٹریکٹ:

پاکستان کی تمام جمہوری جماعتیں اجتماعی طور پر اور انفرادی حیثیت میں ایک طویل مدتی جمہوری و عوامی اور معاشی سوشل کنٹریکٹ پر قومی اتفاق رائے کریں تاکہ کم از کم ایک دہائی کے لئے جمہوری اور شراکتی فریم ورک کے اندر عوام کی حقیقی حکمرانی، پارلیمانی و وفاقی جمہوریت کی مضبوطی اور آئین کی فرمانروائی کو یقینی بنایا جائے اور جمہوریہ کے تینوں ادارے اپنی آئینی حدود میں رہیں، جمہوری اور برداشت کے کلچر کا فروغ ہو اور عوام کے بنیادی انسانی و شہری حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جاسکے اور غربت و افلاس، جہالت و بیماری اور بیروزگاری و پسماندگی کا خاتمہ کیا جاسکے۔ تمام سیاسی جماعتوں کی بلا استثنیٰ مساوی شرکت سے فوری طور پر ایک قابل اعتماد انتخابی نظام کے تحت آزادانہ و منصفانہ اور شفاف انتخابات کا انعقاد۔ تمام آمرانہ ضابطوں و ترامیم کی واپسی، عمران خان سمیت تمام سیاسی قیدیوں اور مسنگ پرسنز کی رہائی۔

جمہور کی جمہوریہ:

1۔ ایک جامع سیاسی معاہدہ اور اس پر عملدرآمد سے جمہوریت، عوام کے انسانی، معاشی و سماجی حقوق، تمام شہریوں کی بلاتفریق برابری، عوامی حکمرانی، مستحکم جمہوریت کے تسلسل، وفاق اور صوبائی خودمختاری کو مضبوط، عدلیہ کو خودمختار، میڈیا کو آزاد اور 1973 کے آئین کی عملداری یقینی بنائی جاسکے۔

2۔ آئین سے 26-27 ویں ترامیم کا خاتمہ۔ ایسی آئینی تبدیلیوں کو جمہوری طریقے سے یقینی بنایا جائے گا جس سے پارلیمنٹ کی بالادستی و خودمختاری مضبوط ہو اور ریاست کے تینوں اداروں کے اپنی اپنی آئینی حدود سے کسی طرح کی تجاوزات کی پیش بندی اور تدارک کیا جاسکے گا۔

3۔ سول ملٹری تعلقات کی از سر نو تشکیل جس میں حربی قوتوں اور ایجنسیوں کو پارلیمنٹ اور جمہوری حکومت کے سامنے جوابدہ کیا جاسکے اور سویلین اور سیاسی امور میں انکی مداخلت کا خاتمہ کیا جاسکے۔

ایک جامع سیاسی معاہدہ اور اس پر عملدرآمد سے جمہوریت، عوام کے انسانی، معاشی و سماجی حقوق، تمام شہریوں کی بلاتفریق برابری، عوامی حکمرانی، مستحکم جمہوریت کے تسلسل، وفاق اور صوبائی خودمختاری کو مضبوط، عدلیہ کو خودمختار، میڈیا کو آزاد اور 1973 کے آئین کی عملداری یقینی بنائی جاسکے۔

4۔ وفاقی سطح پر ان تمام وزارتوں اور ڈویژنز جو 18 ویں ترمیم کے تحت صوبائی دائرہ اختیار میں آتے ہیں ان کو ختم کیا جائے تاکہ صوبائی خودمختاری اور وفاق مستحکم ہوں۔ بلوچستان میں قیام امن کے لئے سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ فوجی کارروائیوں کا اس طرح خاتمہ کہ اس دوران بلوچستان اور پختونخوا میں بیگانہ عناصر کی مایوسی ختم کی جاسکے اور محرومی کے اسباب دور کئے جاسکیں اور انہیں قومی دھارے میں لایا جاسکے۔

5۔ اندرونی و بیرونی دہشت گردی کی تمام صورتوں کا قلع قمع پراکسی جنگوں اور دہشت گردی کے حوالے سے بیرونی مداخلت، خاص طور پر بھارت کی پراکسی وارز اور افغانستان کی سرزمین سے دراندازی اور سرپرستی کا موثر سدباب۔

6۔ مقامی حکومت کے دائرے سے متعلق آئین میں تیسری مقامی دائرہ اختیار کی فہرست متعارف کرائی جائے اور مقامی حکومتوں تک اقتدار و اختیار کی منتقلی یقینی بنائی جائے۔

7۔ بنیادی انسانی حقوق، شہری و سیاسی آزادیوں کو اقوام متحدہ کے انسانی و شہری حقوق کے اعلان ناموں کی روشنی میں مربوط و مضبوط کیا جائے۔ کسی بھی امتیازی سلوک کے بغیر خواتین اور اقلیتوں کے مساوی حقوق پر عالمی اعلان ناموں کی روح کے مطابق عملدرآمد۔ عقیدے، مذہب، جنس اور نسل سے قطع نظر تمام شہریوں کے مساوی شہری حقوق کا احترام اور ہر طرح کی تفریق و عدم مساوات کا خاتمہ۔ تمام سیاسی جماعتوں میں اندرونی جمہوریت اور ورکرز کی جانب سے احتساب کا موثر نظام۔

8۔ عوام کے حق اظہار اور میڈیا کی آزادی کا احترام اور سنسر شپ کی تمام صورتوں کا خاتمہ۔ عوام کے حق جانکاری پر قدغنوں کا خاتمہ، ٹریڈ یونینز اور طلبا یونینز کی بحالی، آئین میں شامل بنیادی معاشی و سماجی حقوق پر اقوام متحدہ کے اعلامیوں کے مطابق عملدرآمد جیسے زندہ رہنے اور مہذب و آسودہ زندگی گزارنے کا حق، مفت، لازمی اور معیاری تعلیم کا حق، مناسب حق صحت، حق روزگار، حق شفاف ماحول، تنظیم سازی اور جلسے جلوس کی آزادیوں کا تحفظ، جبر و استحصال کی تمام صورتوں کا خاتمہ، روزگار کی ضمانت، غربت کا خاتمہ، صاف پانی اور شفاف ماحول کی فراہمی، تمام لاپتہ افراد کی بازیابی اور انکے لئے انصاف کی فراہمی۔

9۔ پائیدار قدرتی ماحول اور ماحولیاتی تحفظ کے لئے دور رس حکمت عملی اور بڑھتی ہوئی کثافت، ماحولیاتی آلودگی سے نجات اور ماحولیاتی انصاف کے ساتھ ساتھ سیلاب زدگان اور آفت زدگان کی پائیدار بحالی، بعد از نوآبادیاتی نوکر شاہی ڈھانچے کی پیشہ ورانہ کایا پلٹ کہ وہ عوام کے خدمت گار بن سکیں، نظام انصاف میں انصاف جلد اور قابل پہنچ بنایا جائے اور نظام تعلیم کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔ ہر سطح پر میرٹ کا اطلاق اور اقربا پروری کا خاتمہ۔

10۔ سویلین بالادستی کو یقینی بنانے کے لیے اداراتی اور آئینی اصلاحات۔

پروجیکٹ جلدی مکمل کیا جائے

نوشکی 7 سال قبل سریاب روڈ توسیع پراجیکٹ پر کام شروع کیا گیا لیکن 7 سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی 6 کلو میٹر سڑک کی تعمیر کا پروجیکٹ ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔ جس کی وجہ سے سریاب سمیت بلوچستان کے لاکھوں باشندوں کو مشکلات دشواریوں اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ تفتان کراچی اور سکھر کی تمام ٹرانسپورٹ سریاب روڈ سے گزرتی ہے۔ جس رفتار سے پروجیکٹ پر کام ہو رہا ہے اس سے پروجیکٹ کی تکمیل مستقبل قریب میں پایہ تکمیل تک پہنچتے ہوئے نظر نہیں آ رہی ہے لیکن دوسری جانب میاں غنڈی پارک سے لکپاس ٹول پلازہ تک دس کلومیٹر معیاری سڑک کو ایک ماہ کے اندر اکھاڑ کر بلوچستان کے عوام کو مشکلات اور وقت کے ضیاع سے دوچار کر دیا گیا ہے۔ ٹریفک کے رش کے باعث حادثات کے خطرات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ بلوچستان کو سندھ اور ایران سے ملانے والی شاہراہ سریاب روڈ سے گزرتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئٹہ شہر میں سبزل روڈ کی تعمیر کا منصوبہ کئی برسوں بعد دو سال قبل مکمل ہوا تھا۔ سبزل روڈ کو اکھاڑ کر شہریوں کو مزید مشکلات اور وقت کے ضیاع سے دوچار کر دیا گیا ہے۔ کوئٹہ میں دیگر علاقوں میں بھی سڑکوں کو اکھاڑنے کا کام جاری ساری ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے۔ پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پر سلطان چڑھائی کی دو کلومیٹر دشوار گزار متبادل سڑک کی تعمیر کا منصوبہ 12 سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ہنوز تشنہ تکمیل ہے جس کی وجہ سے بین الاقوامی شاہراہ پر سفر کرنے والے سیاحوں، زائرین، مقامی ٹرانسپورٹروں اور ایران سے ٹریڈ کرنے والے ٹرالروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ٹرانسپورٹروں نے مطالبہ کیا ہے میاں غنڈی سے لکپاس ٹول پلازہ تک سڑک کو بلا جواز اکھاڑنے کا نوٹس لیتے ہوئے سڑک کی تعمیر ترجیحی بنیادوں پر عمل میں لائی جائے۔ پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پر سلطان چڑھائی کے 12 سال قبل شروع ہونے والی دو کلومیٹر متبادل سڑک کی تعمیر مکمل کرتے ہوئے ریلوے پھاٹک سے گوری کراس تک بین الاقوامی شاہراہِ کے توسیعی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ معیاری سڑکوں کو اکھاڑنے سے جہاں شہریوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہیں کسی طرح بھی قدرتی وسائل سے مالا مال خطہ صوبہ بلوچستان قومی دولت کے ضیاع کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ ناقص اور بغیر پلاننگ کے ترقیاتی منصوبوں میں ملوث انجینئروں اور اہلکاروں کے خلاف تادیبی کاروائی عمل میں لائی جائے۔ 12 سال قبل بھی کوئٹہ میں نکاسی آب کے لیے اربوں روپے کی لاگت سے نکاسی آب کا منصوبہ ناکام ہوگیا جو بلوچستان کے عوام کے ساتھ سراسر ظلم اور ناانصافی کے زمرے میں آتا ہے۔ اربوں روپے کے پروجیکٹ کی ناکامی میں ملوث افراد کے خلاف بھی کاروائی عمل میں لائی جائے کیونکہ اربوں روپے قومی دولت سے خرچ کرنے کے باوجود بھی عوام کو سہولیات کی بجائے مشکلات اور مصائب سے دوچار کرنا قومی دولت کا ضیاع باعث تشویش ہے۔

(محمد سعید)

احتجاجی ریلی

نوشکی گرینڈ الائنس کے زیر اہتمام گورنمنٹ ماڈل ہائی اسکول سے ایک احتجاجی ریلی نکالی گئی۔ پریس کلب کے سامنے احتجاجی ریلی سے گرینڈ الائنس کے آرگنائزر ببرگ بلوچ، رحمان خان مینگل، منظور احمد بلوچ، نظام بلوچ، احمد جان بلوچ، عزیز احمد، ظہور بلوچ اور دیگر مقررین نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان کے ملازمین اپنے جائز حقوق کے لیے گزشتہ 6 ماہ سے احتجاج کر رہے ہیں لیکن حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ حکومتی بے حسی کی وجہ سے ملازمین احتجاج پر مجبور ہوگئے ہیں۔ چارٹر آف ڈیمانڈ پر حکومت ٹال مٹول سے کام لے رہی ہے۔ فارم نمبر 47 کی حکومت کی وجہ سے بلوچستان میں جمود طاری ہے جس کی وجہ سے عوام اور ملازمین مشکلات سے دوچار ہے۔ ملازمین اپنے حقوق کے حصول کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرینگے۔ مقررین نے کہا کہ وزراء اور دیگر اپنے مراعات بیک جنبشِ قلم کئی سو گناہ اضافہ کرتے ہیں جبکہ غریب ملازمین کی تنخواہوں اور دیگر مراعات میں معمولی اضافے کے لیے ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں جو ملازمین دشمنی کے مترادف ہے۔ مہنگائی کے تناسب سے ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔ مقررین نے کہا کہ وہ 30 دسمبر کو لاک ڈاؤن کرینگے اور اگر حکومت نے 30 دسمبر تک چارٹر آف ڈیمانڈ پر عمل نہیں کیا تو آیندہ مرکزی قائدین کی مشاورت سے آیندہ کے لائحہ عمل کا اعلان کرینگے۔ صوبائی حکومت ہوش کے ناخن لے بصورت دیگر حالات کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

(محمد سعید)

نوجوانوں کا احتجاجی اعلان

خیبر سور کمر کے پہاڑی علاقے میں کرش مشینوں اور مسلسل بمب بلاسٹنگ نے ماحول، آبادی اور جنگلات کو شدید نقصان پہنچایا ہے، جس کے خلاف مقامی نوجوانوں اور رہائشیوں نے سخت احتجاج کرتے ہوئے فوری بندش کا مطالبہ کر دیا۔ مقامی نمائندوں کے مطابق علاقے میں غیر قانونی طور پر لگائی گئی کرش مشینیں اور روزانہ کی بنیاد پر ہونے والی بلاسٹنگ نہ صرف پہاڑی خطے کی خوبصورتی تباہ کر رہی ہیں بلکہ اس سے انسانی صحت بھی بُری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ رہائشیوں نے بتایا کہ بلاسٹنگ اور دھول کے باعث علاقے میں کینسر، گلے کے امراض، سینے کی بیماریاں، گردوں کے مسائل، سر درد، چکن گونیا اور دیگر سنگین بیماریاں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ نوجوانوں نے حکومت اور متعلقہ محکموں سے مطالبہ کیا ہے کہ ان غیر قانونی سرگرمیوں کو فی الفور بند کیا جائے، ورنہ آنے والے جمعہ کو گرینڈ جلاس میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔ انہوں نے واضح کیا کہ اگر کسی تصادم یا نقصان کی صورتحال پیدا ہوئی تو اس کی مکمل ذمہ داری حکومت اور متعلقہ اداروں پر عائد ہوگی۔ مقامی ذرائع کے مطابق عدالت میں پانچ متعلقہ اداروں نے تحریری طور پر بیان جمع کرایا ہے کہ سور کمر میں لگی مشینری اور بلاسٹنگ غیر قانونی ہے، اس کے باوجود کارروائی نہ ہونا عوامی غم و غصے میں اضافہ کر رہا ہے۔ علاقہ مکینوں نے وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا سے بھی اپیل کی ہے کہ چونکہ یہ معاملہ ان کے اپنے انتخابی حلقے سے متعلق ہے، اس لیے فوری نوٹس لیتے ہوئے اس "ماحولیاتی ناسور" کو بند کیا جائے تاکہ بیگناہ شہریوں کی زندگی اور قدرتی ماحول مزید تباہی سے بچ سکے۔

(مسعود شاہ)

نجکاری کے خلاف احتجاج

میانوالی 20 دسمبر کو کالا باغ سالٹ مینز کی نجکاری کے خلاف پی ایم ڈی سی یونین نے احتجاج کیا۔ ورکروں نے ہاتھوں میں کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر مختلف نعرے نمایاں طور پر درج تھے۔ ظلم کے یہ ضابطے ہم نہیں مانتے، ملازمین کا معاشی قتل بند کرو، نہ منظور نہ منظور نجکاری نہ منظور، سالٹ مینز کو پرائیویٹ نہ کیا جائے، معاشی قتل بند کرو، ورکروں کے خلاف ظالمانہ نظام ختم کیا جائے، پاکستان میں نجکاری دراصل پرائیوٹ مالکان ہی کو فائدہ مند کرتی ہے نہ کہ ورکر کو۔

(محمد رفیق)

پل بنا کر انسانی زندگیاں بچائی جائیں

ٹنڈومحمد خان دنیا گلوبل ویلج کی طرح ہے لیکن اس دور جدید میں بھی ٹنڈو محمد خان میں ایسا علاقہ بھی موجود ہے جہاں آمدروفت کا ذریعہ کشتی ہے۔ نہر کے ایک سے دوسری طرف جانے کے لیئے نہر کے اوپر پل نہیں بلکہ کشتی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ علاقہ سندھ کے سب سے چھوٹے ضلع ٹنڈو محمد خان میں ہے جہاں کوٹڑی بیراج کی نہر گونی کینال کی آر ڈی 41/42 کے درمیان پل نہ ہونے کے باعث علاقہ مکین آمدروفت کے لیئے کشتی کا استعمال کرتے ہیں۔ بلڑی شاہ کریم تحصیل کی یونین کاؤنسل سعید متو کی دیہہ آری پوٹا کے گاؤں حاجی غلام حسین لغاری میں بزرگ شخص 83 سالہ محمد پریل لغاری کے انتقال کے بعد لاش کو تدفین کے لیئے نہر کے دوسرے پار قبرستان میں کشتی کے ذریعے لے جایا گیا۔ نہر کے دونوں اطراف میں لغاری۔ خاصخیلی۔ کھوسہ اور دیگر قبائل کے لوگوں کی بڑی تعداد رہائش پذیر ہے جن کا آنا جانا کشتی کے ذریعے ہوتا ہے۔ بوائز اور گرلز اسکول میں آنے جانے والے طلباء وطالبات۔ خواتین اور بزرگ بھی کشتی کا استعمال کرتے ہیں۔ گاؤں کے بزرگ محمد پریل لغاری کی لاش کو تدفین کے لیئے کشتی کے ذریعے قبرستان لے جایا گیا تھا۔ ان کے بیٹے سائین بخش لغاری کا کہنا تھا کہ اس جدید دور میں بھی ہزاروں کی آبادی کے لوگوں کو پل کی سہولت نہیں۔ اس نے بتایا کہ ہم پیپلز پارٹی کے ووٹرز ہیں۔ یہاں سے صوبائی اور وفاقی حلقوں سے پی پی پی کے امیدوار ہی کامیاب ہوتے آئے ہیں۔ سومرو خاندان کے مختلف امیدوار پی پی پی کی ٹکٹ پر 7 مرتبہ ایم پی اے منتخب ہو چکے ہیں۔ دو سال قبل یہ پل منظور بھی ہوا لیکن ٹھیکیدار صرف نہر کے دونوں اطراف سے سریا لگا کر غائب ہو گیا اور ابھی تک صرف سریا لگا ہوا ہے۔ اس علاقہ میں ایک اسکول ہونے کی وجہ سے روزانہ پچاس سے زائد بچے کشتی میں اسکول آتے جاتے ہیں۔ کشتی چلانے کے لیئے بھی کوئی ملازم نہ ہونے کے باعث بچے خود کشتی چلا کر دوسری طرف جاتے ہیں جب کہ انتقال کرنے والوں کے جنازے بھی کشتی میں رکھ کر دوسری طرف لے جا کر تدفین کی جاتی ہے جب کہ شادی ویاہ وغیرہ میں جانے والی خواتین بھی کشتی میں سوار ہو کر دوسری طرف جاتی ہیں۔ علاقہ مکینوں کا کہنا تھا کہ 15 برس قبل کشتی الٹنے سے شادی کی تقریب میں جانے والے کھوسہ قبیلے کے 7 افراد ڈوب کر ہلاک ہو گئے تھے لیکن سرکار نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ گونی کنال پر یہاں سے 3 کلومیٹر دور سجاول روڈ اور 6 کلومیٹر دوسری طرف ستر موری پر پل ہیں جو کافی دور پڑتی ہیں جس سے مشکلات پیش آتی ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ یہاں پل بنا کر انسانی زندگیاں بچائی جائیں۔

(محمد رمضان شورو)

چودہ ہزار سے زائد پاکستانی غیر ملکی جیلوں میں قید

چودہ ہزار سے زائد پاکستانی شہری دنیا بھر کی مختلف جیلوں میں قید ہیں، جبکہ سن 2010 سے 2023 کے درمیان تقریباً 183 پاکستانی شہریوں کو بیرون ملک موت کی سزا دے دی گئی۔ ادارے کے مطابق سعودی عرب میں پاکستانیوں کو پھانسی دینے کا سلسلہ بھی جاری ہے اور رواں برس میں ہی چار پاکستانیوں کو پھانسی دی گئی ہے۔ ایک تازہ رپورٹ کے مطابق چودہ ہزار سے بھی زائد پاکستانی شہری دنیا بھر کی مختلف جیلوں میں قید ہیں، جن میں سے 58 فیصد افراد مختلف الزامات کے تحت متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب کی جیلوں میں قید ہیں۔ یہ اعداد و شمار پاکستان کے ایک ایڈووکیسی گروپ 'جسٹس پروجیکٹ پاکستان' (جے پی پی) نے فراہم کیے ہیں، جو اندرون اور بیرون ملک کمزور پاکستانی قیدیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ادارہ پیر کے روز ہی بیرون ملک قید پاکستانیوں پر ایک جامع اور آزاد ڈیٹا بیس رپورٹ جاری کر رہا ہے۔ یہ ادارہ مختلف ملکوں میں قیدیوں کے جرائم، ان کی منتقلی کے معاہدے اور قونصلر تک رسائی نیز انہیں تحفظ فراہم کرنے جیسی تفصیلات کی بنیاد پر اعداد و شمار جمع کرتا ہے۔ اس کے اعداد و شمار کے مطابق سن 2010 سے 2023 کے درمیان 183 پاکستانی شہریوں کو بیرون ملک موت کی سزا دی گئی۔

ادارے کا کیا کہنا ہے؟

جے پی پی کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر سارہ بلال نے اتوار کے روز اپنی ایک پریس ریلیز میں کہا، "بین الاقوامی تارکین وطن ورکرز ڈے کی مناسبت سے، اس انٹرایکٹو ویب پیج کا آغاز، سمندر پار پاکستانی قیدیوں کو درپیش چیلنجوں سے نمٹنے اور عالمی سطح پر انصاف کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے اجتماعی عزم کی علامت ہے۔" ان کا مزید کہنا تھا، "اس ویب پیج کا آغاز شواہد پر مبنی پالیسیوں کی جانب ایک اہم قدم ہے، جو ممکنہ طور پر اس بات کو یقینی بنائے گی کہ بیرون ملک مقیم پاکستانی قیدی قونصلر تک رسائی، تحفظ کے حقوق اور قانونی اختیارات سے آگاہ رہیں۔"

مشرق وسطیٰ کی جیلوں میں 58 فیصد قیدی

اعداد و شمار کے مطابق دسمبر 2023 تک کم از کم 5,292 پاکستانی شہری متحدہ عرب امارات میں قید ہیں۔ اس میں سے 235 افراد منشیات کے الزام میں جیلوں میں ہیں جبکہ 48 چوری/ ڈکیتی کے الزام میں قید ہیں۔ 46 غیر اخلاقی سرگرمیوں کے الزام میں قید ہیں اور 21 اور 13 بالترتیب قتل اور زیادتی کے الزام میں قید ہیں۔ جے پی پی کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال ستمبر تک متحدہ عرب امارات میں پاکستانی قیدیوں کی تعداد تقریباً 1,600 تھی، رواں برس دسمبر تک یہ بتدریج بڑھ کر 5,292 ہو گئی۔ گرچہ پاکستان کا متحدہ عرب امارات کے ساتھ قیدیوں کی منتقلی کا معاہدہ ہے، تاہم زیادہ تر پاکستانی شہریوں کو "اپنے قانونی حقوق تک مکمل رسائی نہیں دی جاتی۔" سعودی عرب کی جیلوں میں کم از کم 3100 پاکستانی قید ہیں۔ ان میں سے 691 منشیات کے جرم میں جبکہ 180 چوری اور ڈکیتی کے الزام میں جیل میں ہیں۔ 21 'ٹریفک سے متعلق واقعات' پر بھی حراست میں ہیں جب کہ 58 مالی جرائم کے لیے جیل میں ہیں۔ ادارے کے مطابق "سعودی عرب میں پاکستانیوں کو پھانسی دینے کا سلسلہ بھی جاری ہے اور رواں برس میں ہی چار پاکستانیوں کو پھانسی دی گئی ہے۔" گزشتہ برس مجموعی طور پر سات پاکستانیوں کو پھانسی دی گئی تھی۔ یونان میں 811 پاکستانی شہری قید ہیں، جس میں سے بیشتر غیر قانونی داخلے اور امیگریشن سے متعلق الزامات کے تحت جیل میں ہیں۔ عراق میں 672 شہری حراست میں ہیں۔ کم از کم 683 پاکستانی شہری منشیات کی اسمگلنگ، دہشت گردی، فارنرز ایکٹ، اسلحہ قانون اور غیر قانونی قیام سمیت مختلف وجوہات کی بنا پر بھارت کی مختلف جیلوں میں بند ہیں۔

(بشکریہ ڈی ڈبلیو)

پارکنگ بنائی جائے

نوشکی نوشکی ڈسٹرکٹ کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ نوشکی کی آبادی 5 لاکھ کے قریب ہے۔ نوشکی کے تمام دیہی علاقوں کے باشندے دفتری امور، تعلیم کے حصول اور روزمرہ ضروریات کی اشیاء کی خریداری کے لیے نوشکی شہر آتے ہیں۔ پانچ لاکھ کی آبادی کے لیے نوشکی شہر میں گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے کوئی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے نوشکی شہر کے وسط اور بالخصوص ہندو محلّہ میں گھروں کے سامنے لوگ گاڑیاں پارک کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہندو برادری کی طالبات کو اسکول اور خواتین کو اپنی مذہبی عبادات کے لیے مندروں میں جانے کے لیے مشکلات پیش آتی ہیں۔ ہندو برادری کے رہنماؤں نے ضلعی انتظامیہ اور پولیس حکام کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کراتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ نوشکی شہر میں گاڑیوں کی پارکنگ کی تعمیر عمل میں لانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔

(محمد سعید)

طالب علم کی ہلاکت، انصاف کا مطالبہ اور شہری آزادیوں پر دباؤ

خیبر یہ رپورٹ ضلع خیبر کی وادی تیراہ میں پیش آنے والے حالیہ واقعات کے تناظر میں مرتب کی گئی ہے، جہاں ایک سیکورٹی کارروائی کے دوران طالب علم طائب کی ہلاکت کی اطلاعات سامنے آئیں، اور اس کے بعد انصاف کے مطالبے پر سرگرم سماجی و سیاسی کارکنوں، بالخصوص پختون تحفظ موومنٹ (PTM) کے کوآرڈینیٹر مقیب آفریدی، کے خلاف مبینہ پولیس کارروائیوں کی خبریں موصول ہوئیں۔ یہ رپورٹ حقائق، دستیاب بیانات اور آئینی و قانونی اصولوں کی روشنی میں انسانی حقوق کے خدشات کو اجاگر کرتی ہے۔ مقامی ذرائع اور لواحقین کے مطابق، طالب علم طائب وادی تیراہ میں ایک سیکورٹی کارروائی کے دوران ہلاک ہوا۔ اہلِ علاقہ کا مؤقف ہے کہ متوفی غیر مسلح شہری اور طالب علم تھا۔ تادمِ تحریر، واقعے کی نوعیت، حالات اور قانونی جواز سے متعلق کوئی جامع سرکاری بیان، ایف آئی آر یا آزاد عدالتی تحقیقات منظرِ عام پر نہیں آئیں۔ اس ابہام نے نہ صرف شفافیت کے تقاضوں پر سوالات اٹھائے ہیں بلکہ شہریوں کے حقِ زندگی اور قانونی تحفظ سے متعلق خدشات کو بھی تقویت دی ہے۔ طالب علم کی ہلاکت کے بعد علاقے میں غم وغصہ اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ اسی پس منظر میں مقیب آفریدی اور دیگر افراد نے پرامن طور پر واقعے کی غیر جانبدار تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ مقیب آفریدی کے مطابق، انہوں نے ریاستی اداروں سے آئینی دائرہ کار میں انصاف کی اپیل کی اور رات بھر احتجاج کیا۔ تاہم، ان کا کہنا ہے کہ اس مطالبے کے جواب میں ان کے گھر پر پولیس نے بغیر عدالتی وارنٹ چھاپے مارے، مقیب آفریدی کے مطابق، مبینہ پولیس کارروائیوں کے دوران چادر اور چاردیواری کے آئینی تقدس کی خلاف ورزی کی گئی، اہلِ خانہ کو ہراساں کرنے سمیت کسی تحریری عدالتی حکم یا واضح قانونی جواز کے بغیر تلاشی لی گئی۔ اگر یہ الزامات درست ہیں تو یہ اقدامات آئینِ پاکستان کے آرٹیکل 14 (انسانی وقار اور نجی زندگی کا تحفظ) اور آرٹیکل 4 (قانون کے مطابق سلوک کا حق) کی صریح خلاف ورزی کے زمرے میں آتے ہیں۔ مزید برآں، اس نوعیت کی کارروائیاں پرامن سیاسی سرگرمی اور اظہارِ رائے کی آزادی پر منفی اثر ڈالتی ہیں۔ ضلع خیبر اور ملحقہ علاقوں میں پائی جانے والی بے چینی اس امر کی عکاس ہے کہ شہری خود کو غیر محفوظ اور بے اختیار محسوس کر رہے ہیں۔ مقامی آبادی کے مطابق، پرامن احتجاج اور سوال اٹھانے کے عمل کو شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے، جس سے ریاست اور عوام کے درمیان پہلے سے موجود اعتماد کا فقدان مزید گہرا ہو رہا ہے۔ یہ صورتحال اس لئے بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ واقعات خیبر پختونخوا کے وزیرِ اعلیٰ سہیل آفریدی کے آبائی حلقے میں رپورٹ ہوئے ہیں، جہاں قانون کی بالادستی اور شہری حقوق کے تحفظ کی خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے ممبر ضلع خیبر مسعود شاہ کا کہنا ہے آئینِ پاکستان شہریوں کو زندگی، آزادی، انسانی وقار، پرامن اجتماع اور اظہارِ رائے کی ضمانت دیتا ہے (آرٹیکلز 9، 14، 16 اور 19)۔ اسی طرح پاکستان بین الاقوامی عہد نامہ برائے شہری و سیاسی حقوق (ICCPR) کا فریق ہے، جو ریاست کو ماورائے عدالت اقدامات سے گریز، شفاف تحقیقات اور مؤثر قانونی چارہ جوئی کا پابند بناتا ہے۔ شہری ہلاکتوں کی غیر شفاف تحقیقات اور سیاسی کارکنوں کی مبینہ ہراسانی ان ذمہ داریوں سے متصادم دکھائی دیتی ہے۔ انکا کہنا تھا کہ وادی تیراہ کے حالیہ واقعات ایک بار پھر اس بنیادی سوال کو جنم دیتے ہیں کہ کیا ریاست شہریوں کے آئینی حقوق اور انسانی وقار کے تحفظ میں اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی ہے۔ انصاف کا مطالبہ کسی بھی جمہوری معاشرے میں جرم نہیں بلکہ قانون کی حکمرانی کی بنیاد ہے۔ اسے دبانے کی کوششیں نہ صرف آئینی اصولوں کے منافی ہیں بلکہ پائیدار امن کے امکانات کو بھی نقصان پہنچاتی ہیں۔ انکا مزید کہنا تھا کہ طالب علم طائب کی ہلاکت کی فوری، آزادانہ اور شفاف عدالتی تحقیقات کرائی جائیں؛ مقیب آفریدی اور ان کے اہلِ خانہ کے خلاف مبینہ غیر قانونی پولیس کارروائیوں کی غیر جانبدار انکوائری کی جائے؛ چادر و چاردیواری اور نجی زندگی کے تقدس کی خلاف ورزی میں ملوث عناصر کو قانون کے مطابق جوابدہ بنایا جائے؛ پرامن احتجاج اور اظہارِ رائے کے آئینی حق کو یقینی بنایا جائے؛ قبائلی اضلاع میں سیکورٹی پالیسیوں کو انسانی حقوق کے آئینی و بین الاقوامی معیارات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ وادی تیراہ کے واقعات محض ایک علاقے یا ایک فرد تک محدود نہیں، بلکہ یہ پاکستان میں شہری آزادیوں، قانون کی حکمرانی اور انسانی حقوق کی مجموعی صورتحال کا عکاس ہیں۔ ریاستی اداروں کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ طاقت کے استعمال کے بجائے شفافیت، جوابدہی اور انصاف کے اصولوں کو ترجیح دیں، تاکہ عوام کا اعتماد بحال ہو اور جمہوری اقدار مضبوط ہو سکیں۔ (مسعود شاہ)

تحصیل کونسل کے بلدیاتی نمائندوں کا صوبائی حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

جمرود جمرود تحصیل کونسل کے بلدیاتی نمائندوں نے اپنے حقوق کے حصول اور صوبائی حکومت کی مبینہ ناانصافیوں کے خلاف بابِ خیبر جمرود کے مقام پر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کا کہنا تھا کہ آج 19 دسمبر ہے اور اسی دن 2021 میں خیبر پختونخوا بشمول قبائلی اضلاع میں بلدیاتی انتخابات منعقد ہوئے تھے، جن کا مقصد اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی اور عوام کو بنیادی سہولیات کی فراہمی تھا، تاہم یہ مقاصد تاحال پورے نہیں ہو سکے۔ احتجاجی مظاہرے سے خطاب کرتے ہوئے تحصیل جمرود کے چیئرمین حاجی عظمت آفریدی، چیئرمین شاہد خان، چیئرمین شاہد زمان، چیئرمین عبدالرحمان، چیئرمین شہاب الدین، چیئرمین سیراج آفریدی، چیئرمین میاں جان، چیئرمین اختر باز، چیئرمین راحیل ملاگوری، چیئرمین نواب آفریدی، چیئرمین ذبیح اللہ، چیئرمین حسین زادہ اور کونسلر شفیق آفریدی سمیت دیگر بلدیاتی نمائندوں نے کہا کہ بلدیاتی انتخابات کے بعد عوام میں امید پیدا ہوئی تھی کہ ان کے مسائل نچلی سطح پر حل ہوں گے، مگر پاکستان تحریک انصاف کی صوبائی حکومت نے بلدیاتی نظام کو مسلسل نظرانداز کیا۔ مقررین کا کہنا تھا کہ تین مختلف وزرائے اعلیٰ کے ادوار میں نہ صرف بلدیاتی نمائندوں کے اختیارات سلب کیے گئے بلکہ ان کے فنڈز بھی بند رکھے گئے، جس کے باعث وہ عوامی خدمت انجام دینے سے قاصر رہے۔ انہوں نے الزام عائد کیا کہ سابق وزیرِ اعلیٰ محمود خان، علی امین گنڈاپور اور موجودہ قیادت نے بلدیاتی نمائندوں کو دانستہ طور پر غیر مؤثر بنایا جبکہ موجودہ وزیر اعلیٰ سہیل آفریدی جس کا تعلق بھی قبائلی ضلع خیبر سے ہے وہ بھی بلدیاتی نمائندگان کو حقوق دینے میں تاحال ناکام ہے۔ بلدیاتی نمائندوں نے کہا کہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں مضبوط بلدیاتی نظام ہی ترقی کی بنیاد ہے، کیونکہ عوامی مسائل کا فوری حل نچلی سطح پر ہی ممکن ہوتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بلدیاتی نمائندوں کا مینڈیٹ ترقیاتی کام اور عوامی خدمت ہے جبکہ ایم این ایز اور ایم پی ایز کا کردار قانون سازی تک محدود ہونا چاہیے، مگر بدقسمتی سے ملک میں ترقیاتی فنڈز منتخب بلدیاتی اداروں کے بجائے ارکانِ اسمبلی کو دیے جاتے ہیں۔ مظاہرین نے اعلان کیا کہ خیبر پختونخوا اور قبائلی اضلاع بھر میں بلدیاتی نمائندے سراپا احتجاج ہیں، تمام بلدیاتی دفاتر احتجاجاً بند کر دیے گئے ہیں، جبکہ صوبائی حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک کا آغاز کیا جا چکا ہے۔ بلدیاتی نمائندوں نے نیشنل پریس کلب میں پریس کانفرنس کرنے اور ہر ضلع میں ضلعی انتظامیہ کو احتجاجی مراسلے جمع کرانے کا بھی اعلان کیا۔

(منظور آفریدی)

عورتیں

عورتوں اور بچوں سمیت دنیا کے پانچ کروڑ افراد جدید غلامی کا شکار

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل انتونیو گوتیرش نے کہا ہے کہ غلامی تاریخ کا ایک ہولناک باب اور ایسا بحران ہے جو آج بھی برقرار ہے۔ غلامی اور اس کی نئی صورتوں کا خاتمہ کرنے کے لیے اس لعنت کے بارے میں آگاہی بڑھانے سمیت موثر اقدامات اٹھانا ہوں گے۔انہوں نے غلامی کے خاتمے کے عالمی دن (2 دسمبر) پر اپنے پیغام میں کہا ہے کہ بحر اوقیانوس کے پار غلاموں کی تجارت کے دوران ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ مرد و خواتین اور بچوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر ہمیشہ کے لیے ان کے انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ان میں بہت سے لوگ اس اذیت ناک سفر کے دوران ہلاک ہو گئے۔آج بھی تقریباً 5 کروڑ افراد جدید غلامی کا شکار ہیں، جن میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی ہے۔انسانی سمگلنگ، جنسی استحصال، بچوں کی جبری مشقت، نوعمری کی شادی اور بچوں کو جنگی مقاصد کے لیے بھرتی کیا جانا اس غلامی کی چند نمایاں صورتیں ہیں۔اقوام متحدہ کے مطابق، جبری مشقت کی معیشت کا سالانہ حجم 236 ارب ڈالر ہے جو دراصل مزدوروں سے ان کی اجرتیں چھین لینے کے مترادف ہے اور اس کا سب سے زیادہ اثر ان لوگوں پر پڑتا ہے جو پہلے ہی اپنے گھر بار چلانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

حقوق اور انسانیت کی سلبی

سیکرٹری جنرل کا کہنا ہے کہ جدید غلامی ایسے جرائم پیشہ گروہوں کے ذریعے برقرار ہے جو انتہائی غربت، تعصب یا ماحولیاتی تباہی سے نمٹنے کی کوشش کرنے والے لوگوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ یہ غلامی ان سمگلروں کے ہاتھوں پھلتی پھولتی ہے جو مسلح تنازعات سے جان بچا کر نقل مکانی کرنے والوں یا تحفظ اور بہتر مواقع کی تلاش میں ہجرت کرنے والوں کا استحصال کرتے ہیں۔انہوں نے کہا ہے کہ یہ غلامی انسانوں کے حقوق بھی چھین لیتی ہے اور ان کی انسانیت بھی سلب کر لیتی ہے اور کوئی خطہ اس مسئلے سے محفوظ نہیں۔اقوام متحدہ کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق جدید غلامی سے بری طرح متاثرہ خطوں میں ایشیا اور الکاہل سرفہرست ہیں جہاں 1.51 کروڑ افراد جبری غلامی کا شکار ہیں۔اس کے بعد یورپ و وسطی ایشیا (41 لاکھ)، افریقہ (38 لاکھ)، امریکہ (36 لاکھ) اور مشرق وسطیٰ (9 لاکھ) کا نمبر آتا ہے۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

ڈیجیٹل ہراسانی: صنفی تشدد کی ایک غیر مرئی شکل جس کا مقابلہ ضروری

اسلام آباد — صنفی بنیادوں پر ہونے والے تشدد کے خلاف اقوام متحدہ کی 16 روزہ مہم پاکستان میں بھی زور و شور سے جاری ہے اور اس سال اس مہم کی خصوصی توجہ آن لائن اور ڈیجیٹل ہراسانی پر ہے جس کا زیادہ تر شکار خواتین اور لڑکیاں ہوتی ہیں۔اقوام متحدہ اور اس کے ادارے یہ مہم ہر سال 25 نومبر اور 10 دسمبر کے دوران چلاتے ہیں۔اسی حوالے پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں واقع نیشنل کونسل آف آرٹس میں صنفی بنیادوں پر ہونے والے 'ڈیجیٹل تشدد' کے خلاف آگہی بیدار کرنے کے لیے ایک تقریب منعقد ہوئی، جس میں ملک کے وفاقی وزیر قانون و انسانی حقوق اعظم نذیر تارڑ مہمان خصوصی تھے جبکہ اقوام متحدہ کے دس اداروں نے اس کے انعقاد میں حصہ لیا۔تقریب میں ملک کے پانچ شہروں میں جاری مہم کے اہم پہلو اجاگر کیے گئے، جس میں لاہور، کوئٹہ، پشاور، اسلام آباد اور کراچی میں ہونے والی تقریبات شامل ہیں۔اس دوران خواتین اور لڑکیوں کے ڈیجیٹل تحفظ، آن لائن ہراسگی کے خلاف اقدامات اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے پیدا ہونے والے خطرات پر توجہ مرکوز کی گئی۔تقریب میں سول سوسائٹی، قانون نافذ کرنے والے ادارے، پارلیمان کے ارکان، فنکار اور بین الاقوامی تنظیمیں شامل ہوئیں، جنہوں نے مشترکہ طور پر محفوظ آن لائن ماحول کی اہمیت اور اس حوالے سے عوامی شعور بڑھانے کے اقدامات پر زور دیا۔

نظر سے اوجھل لیکن خطرناک

اس موقع پر خواتین اور لڑکیوں کے خلاف بڑھتے ڈیجیٹل تشدد پر 'دکھنے والا اور نہ دکھنے والا' کے عنوان سے فن پاروں کی ایک نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا تھا جس میں ملک بھر سے فنکاروں کی تخلیقات پیش کی گئی تھیں۔پاکستان کی مشہور مصورہ اور فنون لطیفہ کی استاد سلیمہ ہاشمی نے اس نمائش کے انعقاد میں اہم کردار ادا کیا۔سلیمہ ہاشمی اردو کے مشہور ترقی پسند شاعر مرحوم فیض احمد فیض کی بیٹی بھی ہیں۔تقریب سے خطاب کرتے ہوئے 'یو این ویمن' کی ایشیا اور الکاہل خطے کی ڈائریکٹر کرسٹین عرب نے کہا کہ ڈیجیٹل تشدد کی رفتار اتنی تیز ہے کہ موجودہ قوانین اس کے مقابلے میں کہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ٹیکنالوجی کے بدلتے ہوئے طریقوں کے ساتھ ساتھ قوانین کو بھی جدید بنانا ناگزیر ہے۔خواتین اور لڑکیوں کو محفوظ ڈیجیٹل ماحول دینا ترقی کا بنیادی ستون ہے۔تقریب کے دوران انہوں نے یو این ویمن کی پہلی 'فائر وال فیمنسٹ لیب' کا بھی افتتاح کیا۔ یہ پلیٹ فارم نوجوان خواتین کو ڈیجیٹل تشدد کے خلاف جدید ٹیکنالوجی تیار کرنے کی تربیت اور رہنمائی فراہم کرے گا۔

ڈیجیٹل تشدد ایک حقیقت

ماہرین کا کہنا ہے کہ ڈیجیٹل دنیا نے جہاں رابطوں میں آسانی پیدا کی ہے وہیں تشدد کی ایک نئی اور خاموش لہر کو بھی جنم دیا ہے جو خاص طور پر خواتین اور لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔آن لائن حملے اکثر سادہ گفتگو کی آڑ میں شروع ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ نفسیاتی دباؤ، خوف اور بداعتمادی میں بدل جاتے ہیں۔سوشل میڈیا پلیٹ فارموں پر جھوٹی معلومات، کردار کشی، ذاتی تصاویر کے غلط استعمال اور مصنوعی ذہانت کے ذریعے بنائے جانے والے جعلی مواد نے اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ یہ حملے صرف سکرین تک محدود نہیں رہتے بلکہ حقیقی زندگی میں بھی لوگوں کی سلامتی، رویّوں اور ذہنی صحت کو متاثر کرتے ہیں۔پاکستان میں اقوام متحدہ کی قائم مقام ریذیڈنٹ کوآرڈینیٹر پرنیلے آئرنسائیڈ کا کہنا تھا کہ دنیا کی تقریباً نصف خواتین اور لڑکیاں ڈیجیٹل تشدد کے خلاف قانونی تحفظ سے محروم ہیں۔انہوں نے کہا کہ یہ قبول نہیں کیا جا سکتا کہ آن لائن پلیٹ فارم خواتین اور لڑکیوں کے لیے ایسی جگہ بن جائیں جہاں انہیں دبایا، شرمندہ یا خوفزدہ کیا جائے۔انہوں نے زور دیا کہ ڈیجیٹل تشدد حقیقی تشدد ہے اور آن لائن زیادتی کا کوئی جواز نہیں ہے۔

قانون اور رویے بدلنے کی ضرورت

تقریب کے دوران 'یو این ڈی پی' اور 'یو این ایف پی اے' نے ڈیجیٹل اور ٹیکنالوجی کے ذریعے ہونے والے صنفی تشدد کے حوالے سے اپنے کام کا تعارف کروایا۔ 'آئی او ایم' نے متاثرین کی داستانیں پیش کیں، جبکہ 'یو این ایف پی اے' نے بچوں کی شادی کے موضوع پر نئے ویڈیو پیغامات کا آغاز کیا۔اس کے علاوہ 'ڈبلیو ایچ او' نے صنفی تشدد کے صحت پر اثرات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔تقریب کے مہمان خصوصی اعظم نذیر تارڑ نے کہا کہ پاکستان میں خواتین پر تشدد کے خلاف شکایات کے اندراج کے مقابلے میں سزاؤں کی شرح انتہائی کم ہے۔انہوں نے بتایا کہ حکومت پاکستان نے چھ سال کی محنت کے بعد ایک تفصیلی مسودہ تیار کیا ہے جس میں 116 ایسی ترامیم شامل ہیں جو موجودہ قوانین کو ڈیجیٹل ماحول کے مطابق بہتر بنائیں گی۔انہوں نے 'ٹیک اٹ ڈاؤن' ایپ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ ایپ متاثرین کو پولیس کے بغیر سوشل میڈیا پلیٹ فارموں سے نقصان دہ مواد ہٹانے کی سہولت دیتی ہے۔انہوں نے زور دیا کہ قانون سازی کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے رویے بھی بدلنے ہوں گے تاکہ ہر بچی اور عورت محفوظ رہے۔اقوام متحدہ نے ڈیجیٹل پلیٹ فارموں کو محفوظ اور اخلاقی معیار کے مطابق بنانے کے لیے عالمی سطح پر تعاون کی اپیل کی ہے اور تجویز کیا ہے کہ ڈیجیٹل تشدد کے متاثرین کی حمایت اور مدد کو یقینی بنایا جانا چاہیے، مجرمان کا بہتر قوانین اور ان پر مؤثر عملدرآمد کے ذریعے احتساب کیا جائے۔اقوام متحدہ نے ٹیکنالوجی کمپنیوں پر بھی زور دیا کہ وہ آن لائن پلیٹ فارموں کو محفوظ بنانے کے عمل میں خواتین کو شامل کریں، نقصان دہ مواد فوری طور پر ہٹائیں اور صارفین کی شکایات کو سنجیدگی سے حل کریں۔ (بشکریہ یو این خبرنامہ)

بچے

بچی کی نعش برآمد

میانوالی تفصیلات کے مطابق ہرنولی میں تین ماہ پہلے پیدا ہونے والی پلواشہ کو اس کے والدین نے اس لیے گھر میں موجود پانی کی ٹینکی میں پھینک کر قتل کر دیا کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا کیوں نہیں ہوا۔ دیہاتی علاقہ ہونے کی وجہ سے خواتین کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ راز کھلا۔ پولیس کو اطلاع ملنے کے بعد گھر کی تلاشی کے دوران بچی کی لاش ٹینکی سے برآمد ہوئی۔ سرکار کی مدعیت میں مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ بچی کے والد کو گرفتار کیا گیا ہے اور لاش پوسٹ مارٹم کیلئے ہسپتال منتقل کر دی گئی ہے۔

(محمد رفیق)

بچے سے مبینہ بدفعلی کا کیس درج

عمرکوٹ کنری شہر کے قریب قدیمی گوٹھ بھڈوکیری میں مسجد کے پیش امام کی طرف سے 13 سالا طالب علم بچے (اک) سے مبینہ طور پر بدفعلی کی گئی۔ واقعے کی تصاویر سوشل میڈیا پر وائرل ہونے کے بعد کنری پولیس حرکت میں آئی اور متاثرہ بچے کے والد عبدالستار کیری کی فریاد پر پولیس تھانہ کنری پر پیش امام سکندر چاچڑ کے خلاف کیس درج کر کے اسے گرفتار کر لیا گیا۔ فریادی نے کیس میں مؤقف اختیار کیا کہ میرا مذکورہ بیٹا مسجد میں دینی تعلیم حاصل کرنے جاتا تھا۔ تقریباً ایک ہفتہ قبل بھی وہ حسب معمول پڑھنے کے لئے گیا۔ جہاں پیش امام سکندر چاچڑ نے بیٹے کے ساتھ جنسی بدفعلی کی۔ لیکن بیٹے نے خوف کے باعث گھر میں کسی سے بھی ذکر نہیں کیا۔ پھر واقعے کے متعلق سوشل میڈیا پر تصویریں وائرل ہوئیں، تو گوٹھ میں بھی بات پھیلی۔ تب ہمیں بھی پتا چلا کہ بیٹے کے ساتھ پیش امام نے بدفعلی کی ہے۔ کنری پولیس نے کیس کے اندراج کے بعد متاثرہ بچے کو میڈیکل کے لئے ہسپتال بھیج دیا۔ کنری پولیس کے مطابق، وہ واقعے کی ہر زاویے سے مکمل جانچ کر رہے ہیں۔ کنری پولیس نے ملزم کو جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کیا جہاں ملزم نے اعتراف جرم کر لیا ہے۔ عدالت نے اعترافی بیان کے بعد ملزم کو جوڈیشل ریمانڈ پر سب جیل عمرکوٹ بھیج دیا۔ جبکہ متاثرہ بچے نے بھی اپنے ساتھ ہونے والے واقعے کے متعلق عدالت میں اپنا بیان ریکارڈ کرایا۔

(نامہ نگار)

بچوں کی سوشل میڈیا تک رسائی پر پابندی کی بجائے اسے محفوظ بنائیں، یونیسف

عالمی ادارہ اطفال (یونیسف) نے کہا ہے کہ بچوں کو سوشل میڈیا کے منفی اثرات سے بچانے کے لیے عائد کردہ پابندیاں انہیں نقصان بھی پہنچا سکتی ہیں۔ آن لائن تحفظ کے لیے ٹیکنالوجی کمپنیوں کو اپنے پلیٹ فارمز کے ڈیزائن بچوں کے لیے محفوظ بنانا ہوں گے اور مواد کی نگرانی بہتر کرنا ہوگی۔ دنیا بھر میں حکومتیں اس بات پر بحث کر رہی ہیں کہ سوشل میڈیا استعمال کرنے کے لیے عمر کی حد کتنی ہونی چاہیے اور کئی ملک مختلف پلیٹ فارموں پر عمر سے متعلق پابندیاں بھی متعارف کرا رہے ہیں۔ یونیسف نے کہا ہے کہ یہ پابندیاں اس تشویش کی عکاس ہیں کہ بچے آن لائن بدسلوکی، استحصال اور نقصان دہ مواد کی زد میں ہیں جس سے ان کی ذہنی صحت اور بہبود پر منفی اثرات مرتب رہے ہیں۔ ادارے کا کہنا ہے کہ اگرچہ وہ آن لائن تحفظ کے لیے دنیا بھر میں بڑھتی ہوئی تشویش کا خیر مقدم کرتا ہے مگر سوشل میڈیا کے استعمال پر پابندیوں میں کئی طرح کے خطرات بھی پوشیدہ ہیں۔ یونیسف کے مطابق، سوشل میڈیا بہت سے بچوں کے لیے عیاشی کے بجائے ایک ایسا ذریعہ ہے جو انہیں سیکھنے، رابطے، کھیل اور اظہار خیال کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اسی لیے سوشل میڈیا استعمال کرنے کے لیے عمر کی پابندیاں وسیع تر حکمت عملی کا حصہ ہونی چاہئیں جو بچوں کو نقصان سے بچائے، ان کی رازداری اور شرکت کے حق کا احترام کرے اور انہیں غیر منظم اور غیر محفوظ جگہوں کی طرف دھکیلنے سے گریز کرے۔

سوشل میڈیا کمپنیوں کی ذمہ داری

ادارے نے واضح کیا ہے کہ محض ضابطہ سازی کمپنیوں کی جانب سے بچوں کی حفاظت میں سرمایہ کاری کا متبادل نہیں بن سکتی۔ عمر سے متعلق قوانین اس وقت تک موثر نہیں ہو سکتے جب تک کمپنیاں اپنے پلیٹ فارم کے ڈیزائن اور مواد کی نگرانی بہتر نہ کریں۔ ایسے پلیٹ فارموں پر پہنچنے کے دیگر راستے بھی موجود ہیں اور پابندیوں کے باوجود بہت سے بچے اور نوجوان سوشل میڈیا تک رسائی حاصل کر لیں گے اور اس طرح انہیں تحفظ دینا مزید مشکل ہو جائے گا۔ یونیسف نے حکومتوں، ضابطہ ساز اداروں اور کمپنیوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بچوں اور خاندانوں کے ساتھ مل کر ایسے ڈیجیٹل ماحول تشکیل دیں جو محفوظ و جامع ہوں اور ان میں بچوں کے حقوق کا احترام کیا جائے۔

یونیسف کی تجاویز

ادارے نے بچوں کی سوشل میڈیا تک رسائی برقرار رکھتے ہوئے ان کا آن لائن تحفظ یقینی بنانے کے لیے درج ذیل اقدامات تجویز کیے ہیں:

- حکومتیں یقینی بنائیں کہ عمر سے متعلق قوانین اور ضوابط کمپنیوں کی اس ذمہ داری کی جگہ نہ لیں کہ وہ محفوظ پلیٹ فارم بنائیں گی اور مواد کی نگرانی پر سرمایہ کاری کریں گی۔ حکومتوں کو چاہیے کہ وہ کمپنیوں پر لازم قرار دیں کہ وہ بچوں کے حقوق پر منفی اثرات کی فعال طور پر نشاندہی اور اس کا تدارک کریں۔
- سوشل میڈیا اور ٹیکنالوجی کمپنیاں اپنے پلیٹ فارموں کو بچوں کی حفاظت اور بہبود کو مدنظر رکھ کر دوبارہ ڈیزائن کریں۔ کم عمر صارفین کے لیے محفوظ تر اور ان کی بہبود کے مطابق آن لائن ماحول فراہم کریں۔ ایسے ممالک کے لیے یہ اہتمام بطور خاص ہونا چاہیے جہاں ادارہ جاتی ڈھانچہ کمزور ہو۔
- ضابطہ کاروں کے پاس ایسے نظام موجود ہونا چاہئیں جو بچوں کو لاحق آن لائن نقصان کی روک تھام میں موثر ثابت ہوں۔
- سول سوسائٹی اور دیگر شراکت دار سوشل میڈیا پر عمر کی حد سے متعلق جاری مباحثوں میں بچوں، نوجوانوں، والدین اور سرپرستوں کی آوازوں اور ان کے تجربات کو تقویت دیں۔
- بچوں کے تحفظ کے بارے میں فیصلے معیاری شواہد کی بنیاد پر ہونے چاہئیں جن میں ایسے شواہد بھی شامل ہوں جو بچوں کی جانب سے براہ راست سامنے آئیں۔
- والدین اور سرپرستوں کی ڈیجیٹل خواندگی بہتر بنائی جائے۔ بچوں کے آن لائن تحفظ میں ان کا کردار بہت اہم ہے مگر موجودہ صورت میں ان سے ناممکن توقعات رکھی جا رہی ہیں۔ وہ ایسے پلیٹ فارموں کی نگرانی نہیں کر سکتے جو انہوں نے بنائے ہی نہیں اور ان کے لیے ایسے الگورتھم پر نظر رکھنا ممکن نہیں جو دکھائی ہی نہیں دیتے۔

یونیسف نے بچوں، نوجوانوں اور خاندانوں کے ساتھ مل کر آن لائن تحفظ کے حوالے سے اپنا کام جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ قوانین، ضوابط اور ٹیکنالوجی کا ڈیزائن، بچوں کی آرا، ضروریات اور حقوق کی درست عکاسی ہو۔

(بشکریہ یو این خبرنامہ)

☆انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:								
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال				مہینہ		تاریخ	
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں				محلّہ			
	ڈاک خانہ				تحصیل وضلع			
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں				نہیں			
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)								

6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثرورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	

15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئند اس فارم کی فوٹو کاپی رکوائف ’ کر کے بھیجیں

سال 2025 کے شمارے

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سیدرضاشاہ